سلسلۂ مطبوعات حسرت اکیڈیمی ۴

یہ ہم تم کیا ہیں گویا سینما کی چند تصویریں

(حسرت صدیقی)

مرآۃ جمال کبریائی

از

ابو الفیض محمد انوار الدّین صدّیقی قدیری

شائع کردہ حسرت اکیڈمی
صدّیق گلشن حیدرآباد دکن ۲

مطبوعہ نیشنل فائن پرنٹنگ پریس چار کمان حیدرآباد اے پی

دوسری اشاعت سنہ ۱۳۹۷ھ

قیمت [illegible] روپیے

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No. 041380
MAILSI

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

فہرست

شمارہ	مضمون	صفحہ
۱	پیام	۲
۲	تقریظ	۴
۳	تعارف	۵
۴	مقدمہ	۷
۵	وجودِ حقیقی و وجودِ اعتباری	۱۳
۶	حقیقتِ ممکن یا معلومِ الٰہی	۱۴
۷	عدم	۱۶
۸	وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت	۱۹
۹	تقدیر	۲۱
۱۰	معیارِ تقدم و تاخر	۲۳
۱۱	کُنْ فیکون	۲۶
۱۲	تجددِ امثال	۲۷
۱۳	فیضِ اقدس و فیضِ مقدس	۲۹
۱۴	خیر و شر	۲۹
۱۵	جبر و قدر	۳۶
۱۶	کلام	۴۱
۱۷	ایک و صاحت	۴۵
۱۸	عینیتِ و غیریت	۴۵
۱۹	عینیتِ محضہ	۴۵
۲۰	غیریتِ محضہ	۴۷
۲۱	غیریتِ حقیقی و عینیتِ اعتباری	۴۸
۲۲	عینیتِ وجودی و غیریتِ علمی	۴۹

پیام

خدائے تعالیٰ کی ذات کو یکتا و یگانہ جاننا اور اپنی احتیاجِ ذاتی کا منکشف ہو جانا اور نسبت الی الحق کو پالینا ہی ہمارا مقصدِ اصلی ہے۔

سب کچھ رکھنا اور پھر سب سے مستغنی رہنا اللہ کی شان ہے۔ کچھ نہ رکھنا اور خدا کے سامنے عاجزی سے سر ٹیک دینا، اُس کے حضور میں اپنا دامنِ گدائی پھیلانا ہمارا کام ہے جو عبدیت کی جان ہے۔

سارا عالم بلکہ ہژدہ ہزار عوالم باطن سے ظاہر میں نمایاں ہو رہے ہیں اور پھر ظہور سے بطون کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ تغیرات اور عروج و زوال سے پاک کی پاک ہے۔

ذاتِ واجب تعالیٰ اور ذاتِ ممکن کی باہمی نسبت اور ربط و تعلق کے سمجھنے کی کوشش میں عاجز ہو کر اپنی ذات کو قربان الوہیت کر دینا اور اس کی حیات سے زندۂ جاوید ہو جانے پر اُس کے جلووں کی فراوانی میں اپنی اور سارے عالم کی نمائش سے محوِ حیرت ہو کر ما عرفناک حق معرفتک کا اعتراف کر لینا ہی ہماری حقیقت کا اقتضاء ہے۔ ع

نہ کھلا رازِ زندگی حسرت زندگی اک طلسمِ حیرت ہے

زیرِ نظر رسالہ "مرآۃِ جمالِ کبریائی" میں عبد و رب کی نسبت اور حقیقتِ ممکن اور اس کے لوازم کو سینما کی مثال سے قریب الفہم انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور یہ سعادت مرشدی و مولائی حضرت بحر العلوم امام الحقیقۃ محمد عبد القدیر صدیقی رحمۃ اللہ علیہ و رضی اللہ عنہ کے فیضانِ جاریہ کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ الحمد للہ

اَلْعَبْدُ وَمَا مَلَكَتْ يَدَاهُ لِمَوْلَاهُ ۔ عبد القدیر کے اِس ادنیٰ غلام کے پاس جو کچھ ہے وہ اُس کے آقا کا ہے، اُس کے مولا کا ہے۔ جہل میری صفتِ اصلی اور میرا مالک سراپا علم۔ مرکز سے جو کچھ مجھے پہنچا ہے استفادہ کے پیشِ نظر عامۃ الناس تک پہنچا دینا میرا کام ہے۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ

اگر یہ خدمت پسند آئے تو اس رسالہ کو بار بار پڑھیئے اور اپنی ذات و صفات اور اپنے افعال پر مضمون کو منطبق کرتے جائیے اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھئے سَنُرِيهِمْ اٰيَاتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِي اَنْفُسِهِمْ۔

جو طالبانِ حق ان مسائل کا وقتِ نظر سے مطالعہ کرنا چاہیں وہ حضرت کے تصنیفات میں سے حکمتِ اسلامیہ۔ الدین ۔ شرح فصوص الحکم۔ المعارف حصہ اول و دوم و چہارم ۔ تفہیماتِ صدیقی ۔ مکاتیبِ عرفان۔ نظام العملِ فقراء کا خصوصیت سے استفادہ فرمائیں۔

اپنے اس پیام کو حضرت عبد القدیر اعلیٰ اللہ مقامہ کے ایک ارشاد پر جس کے آخر میں دعا ہے ختم کرتا ہوں۔

" جن افراد پر سرِّ قدر اور رازِ حکمت کھلتا ہے ان کو دائمی سرور اور ابدی اطمینان اور کمالِ عرفان نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے عرفان سے ایمان اور اطمینان سے ہم کو بھی سرفراز فرمائے۔ اٰمین ثُمَّ اٰمین "

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔

عبدِ عبد القدیر

ابو الفیض محمد انوار الدین صدیقی قدیری

چھاونی نادِ علی بیگ
آندھرا پردیش حیدرآباد دکن
ربیع النور ۱۳۸۲ ہجری

تقریظ

از حضرت مولانا ابوتراب علی صدیقی قادری ام اے
خلف حضرت بحر العلوم علامہ محمد عبد القدیر صدیقی قادری رحمۃ اللہ علیہ

مولوی انوار الدین صدیقی نے حضرت قبلہ کے ایک شعر کی ایسی توضیح و تشریح کی ہے کہ معانی و مسائل جو فنِ تصوف سے متعلق ہیں زیرِ نظر آجاتے ہیں۔
مضمون کا پیرایہ نہایت دلچسپ، تمثیلاً برجستہ اور عبارت میں کچھ ایسی رنگینی ہے کہ آدمی کے منہ سے بے ساختہ واہ نکل جاتی ہے۔ اور مشکل مسائلِ تصوف کو زبان کی چاشنی سے نہایت آسان اور عام فہم بنا دیا ہے۔ یہ مضمون ادب اور خصوصاً تصوف کے ایک شاہکار کا حکم رکھتا ہے۔
ہونہار اور قابل مصنف نے سینما کی تمثیل لے کر خدائی ڈرامے کو اپنی اس تحریر میں کامیابی کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ خدائی ڈرامہ کے ہر عمل کی حکمت بھی سمجھ میں آجاتی ہے جو عرفانِ حق کی جان ہے۔
زیرِ نظر تحریر میں نہایت ایجاز و اعجاز سے کام لیا گیا ہے جس سے سازِ زندگی کا راز کھل جاتا ہے۔
خدا یا مصنف کی اس کوشش کو قبول فرما اور مزید کوششوں کی توفیق کے ساتھ ساتھ ان کی قبولیت کا سامان بھی فرما۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک

۱۹۔ اگست ۱۹۶۲ عیسوی

تعارف

از مولانا محمد معز الدین صاحب قادری الملتانی بی۔ اے

زبدۃ العارفین بحر العلوم والمعارف علامہ محمد عبد القدیر صدیقی اعلی اللہ مقامہ ونور اللہ مضجعہٗ کے فیض علمی نے نہ جانے کتنے قلوب کو شکوک و تذبذب کے اندھیروں سے باہر نکالا اور حقائق و معارف کی ضیاء باریوں سے منور فرمایا ان کی تفصیلات سے تو فقیر واقف نہیں، لیکن یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ سرزمین دکن میں اس وقت رہنمایان جادۂ حق سے شاید ہی کوئی فرد ایسا ہوگا جو علامۂ معز کے فیضان علمی کا خوشہ چیں نہ ہو۔ لیکن ان تمام نفوس میں جن کے دل حضرت بحر العلوم ادام اللہ فیوضہم و برکاتہم کے لمعاتِ علمیہ سے درخشاں ہوئے، مولف رسالۂ ہذا مولوی محمد انوار الدین صاحب صدیقی سے فقیر کو اکثر ربط رہا ہے اور میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ حضرت علامہؒ کے حلقۂ تسلیم و تربیت میں موصوف کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اور اپنے نانا اور پیر کے علوم کا انجذاب کافی حد تک آپ نے کر لیا ہے۔

زیر نظر مقالہ نظریاتِ وجودیہ و مسائل صوفیہ پر ایک نئے باب کا افتتاح ہے اور فیضانِ وجود باری تعالیٰ، توحید ذاتی و صفاتی و افعالی، رابطۂ عبد و رب، عینیت و غیریت، خیر و شر، جبر و قدر جیسے مشکل مسائل کو جس آسانی اور شرح و بسط کے ساتھ روزمرہ کے مشاہدہ سے منطبق کرتے ہوئے واضح فرمادیا ہے وہ فی الحقیقت حضرت علامہ بحر العلوم والمعارف نور اللہ مرقدہٗ کے فیضانِ علمی کا مظہر ہے۔

سینا کی مثال سے واجب و ممکن، باطن و ظاہر کے حقائق نہایت دلکش انداز میں بیان ہوئے ہیں۔

فقیر دعا گزار ہے کہ ان معارف سے استفادہ کی خدا سب کو توفیق عطا فرمائے اور حضرت مؤلف کو توفیق مزید عطا فرمائے کہ زیادہ سے زیادہ علم کی شمعیں رہروانِ جادۂ طریقت کی رہنمائی کے لئے جلائیں۔

امید ہے کہ یہ رسالہ طالبانِ حق کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوگا یہ مبارک کوشش لائق مبارکباد ہے۔ جزاك الله خیر الجزاء

المرقوم ۱۰ ستمبر ۱۹۶۲ عیسوی

مقدمہ

از ڈاکٹر عبدالحفیظ قتیل ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی ریڈر جامعہ عثمانیہ

تصوّف مسئلہ ہے تو قال ہے، تجربہ ہے تو حال ہے۔ نہ میں اہلِ قال سے ہوں نہ اہلِ حال سے۔ مگر مولوی انوارالدین صدیقی صاحب کو اصرار ہے کہ میں اس رسالہ پر کچھ لکھوں۔ میں نے ہر مرتبہ صاف صاف اپنی بے بضاعتی کا اعتراف کیا لیکن وہ ہر مرتبہ میرے اعترافِ عجز کو میرے انکسار پر محمول کرتے رہے۔ اب اس حسنِ ظن کا کیا علاج۔ یہ آسان تھا کہ میں صاف پہلو بچا جاتا اور اپنا بھرم بنا رکھتا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ مولوی انوارالدین صدیقی صاحب صرف مولوی انوارالدین صدیقی صاحب نہیں ہیں۔ وہ میرے آقا کے ہمشیرزادے بھی ہیں اور داماد بھی اور ہم سب کے آقا کے نواسے بھی ہیں اور خلیفہ بھی۔ ان کی خواہش حکم کا حکم رکھتی ہے۔ کرنے کا یارا ابھی نہیں، کئے بغیر چارہ بھی نہیں۔ جب یہی ٹھیری تو جو لکھا جائے، جیسا لکھا جائے، جس قدر بھی لکھا جائے

زیرِ نظر رسالہ سینما کی تمثیل میں تصوف کے تمام اہم مسائل کی تشریح ہے۔ مؤلف نے جہاں تصوف کے ہر مسئلہ کو اس کی تمام جزئی تفصیلات کے ساتھ سیدنا و مولانا حضرت حسرت مدظلہٗ سے سیکھا ہے وہیں یہ تمثیل بھی حضرت ہی کے شعر سے لی ہے۔

تماشا گاہ ہے عالم کسی استادِ کامل کا
یہ ہم تم کیا ہیں گویا سینما کی چند تصویریں

مثال عمدہ اور برجستہ ہے، تو یہ تعریف شاعر کی ہے شارح کی نہیں

شرح شعر کے حُسن کو مسخ کر دیتی ہے جیسے حُسن اجمال میں ہوتا ہے وہ تفصیل آئی اور حسن پُر افشاں ہوا۔ مگر جو شعر کسی نازک مسئلہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے اُس کی تشریح شعر کے حُسن معنی کو چمکا دیتی ہے ۔ مؤلف نے مثال کے ایک ایک جز کو منطبق کر کے ایک ایک مسئلہ کو سمجھانے کی جو کوشش کی ہے یہ اُن کی ذہانت ذکاوت اور دقتِ نظر کا کرشمہ ہے جسے کو ہم بھی سمجھتے تھے کہ شعر کے اس ایک قطرہ میں دریا چھپا ہوا ہے۔ لیکن مؤلف نے اس دریا کو بہا کر دکھا دیا ہے۔

اس تمثیلی رسالہ کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری کو اس حقیقت سے باخبر رہنا چاہیئے کہ مثال ذہن کو ممثل لہ تک منتقل کرنے کا ایک ذریعہ ہوتی ہے، اور وہ بھی ایک ناقص ذریعہ۔ قدرت کی رنگارنگی کا یہ عالم ہے کہ ایک ہی درخت کا ایک پتہ عین مین میں دوسرے پتہ سے نہیں ملتا تو کوئی مشبہ بہ اپنے مشبہ بہ اپنی تمام جزئیات کے ساتھ کیونکر منطبق ہو سکتا ہے ۔ جب کارخانۂ قدرت کی ایک ایک صنعت کی انفرادیت کا یہ حال ہو کہ اس کے اظہار سے بڑے سے بڑے شاعر کی معجز بیانی بھی عاجز ہو جاتی ہے تو وہ ذات جو لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ہے، جو سب کچھ ہے اور سب سے پاک ہے، جو پایا بھی نہیں جاتا اور جو پایا جاتا ہے وہی ہے۔ ایسی ذات کسی مثال کی گرفت میں کیوں کر آئیگی ۔ انسان ناقص اس کی زبان ناقص تر بیچارہ کرے تو کیا کرے ۔ جو تجربہ غیر مشترک ہے اس کو سمجھانے کے لئے کسی مشابہ مشترک تجربہ سے مدد لئے بغیر چارہ نہیں۔ اسی لئے صوفیائے کرام ذاتِ باری، وجودِ کائنات اور ان دونوں کے ربط کو سمجھانے کے لئے ہمیشہ نئی نئی تشبیہوں کا سہارا لیتے رہے ۔ سرکار نے بھی اِن مسائل کو اپنی نظم و

نثر میں مختلف مثالوں سے سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ :۔

دیکھا تو وہ چیز اور ہی تھی
کچھ اور ہی تھی سنی سنائی

قال کے تصوّف کا میں کچھ زیادہ قائل نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ تصوف تحریر میں آتا ہے تو کھیر ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ اس میدان میں بڑے بڑوں کا قلم لرزیدہ اور قدم لغزیدہ ہو جاتا ہے۔ کسی مسئلہ کو اس طرح بیان کرنا کہ اس کی کوئی جہت چھوٹنے نہ پائے۔ اور کوئی اعتبار قرآن و حدیث سے نہ ٹکرائے، فکر و بیان کا اس قدر مکمل توازن اہلِ قلم صوفیا میں صرف اُس ذاتِ مجمع الصّفات کا حصہ تھا کہ :۔ ع

اب جس کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

سرکار کسی مسئلہ کو سمجھا چکتے تو ایک ایک غلام سے ان خیالات کی انھیں الفاظ میں دہرانے کا حکم فرماتے جو سرکار نے استعمال فرمائے تھے۔ اگر کوئی ایک لفظ بھی اپنی طرف سے استعمال کرتا تو بڑی سختی سے تنبیہ فرماتے کہ میرے الفاظ میں دہراؤ ابھی تم اپنے لفظوں میں بیان کرنے کے قابل نہیں ہو۔ بظاہر ایسا محسوس ہوتا کہ جو لفظ ہم نے اپنی طرف سے استعمال کیا ہے اس کے مفہوم کی ادائی میں کوئی نقص نہیں آیا ہے۔ لیکن غور کرنے پر پتہ چلتا کہ ان کے لفظ کی جگہ ہمارا لفظ مفہوم میں کتنا جھول پیدا کر رہا ہے۔

مولوی انوار الدین صدیقی صاحب نے سرکار کی تحریرات کو اتنی مرتبہ پڑھا ہے کہ الفاظ اور جملے تو کیا عبارت کی عبارت انہیں حفظ

ہوگئی ہے۔ جب بھی وہ تصوّف کے موضوعات پر لکھتے ہیں تو الفاظ ہی نہیں انداز بیان بھی سرکار ہی کا آجاتا ہے بلکہ غیر شعوری طور پر سرکار ہی کے جملے ان کی زبان قلم سے تراوش کرنے لگتے ہیں۔

اس لئے مجھے ان کے قلم کی طرف سے ہمیشہ اطمینان رہتا ہے مجھے امید ہے کہ یہ رسالہ تصوّف کا علم صحیح حاصل کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوگا۔ علم کی صحت ہی عمل صالح کی ضامن ہو سکتی ہے۔ علم یقین بنتا ہے تو احساس بن جاتا ہے اور جب احساس قوی ہو جاتا ہے تو انکشاف کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ کتاب سے علم صحیح تو مل جاتا ہے۔ لیکن احساس و انکشاف عطا کرنا کتاب کا کام نہیں فقیر کا کام ہوتا ہے۔ اگر کسی کا جوش طلب، علم کتابی ہی سے ترقی کر کے تھوڑا بہت احساس و انکشاف حاصل بھی کرلے تو انانیت کے خول کو توڑ کر باہر آنا کسی سالک کے اپنے بس کی بات نہیں ہوتے۔ انڈے کو سینک سینک کر بے جان زردی کو جاندار چوزے میں تبدیل کرنا اور انڈے کے خول کو توڑ کر چوزے کو باہر نکال لانا یہ مرغی ہی کا کام ہے۔

مولوی انوار الدین صاحب کی یہ سعی سرکار سے حاصل کئے ہوئے علم صحیح کے فیضان کو پھیلانے کی سعی جمیل ہے۔ اس کام میں مؤلف اور قاری دونوں کے لئے برکت ہے۔ اللہ دونوں کو برکت دے۔

کتاب کا حسن معنیٰ میری مشاطگی سے بے نیاز ہے۔

المرقوم ۱۳ ستمبر ۱۹۶۲ عیسوی

خادم

عبدالحفیظ قتیل

تماشا گاہ ہے عالم کسی استادِ کامل کا
یہ ہم تم کیا ہیں گویا سینما کی چند تصویریں

(بحر العلوم حسرت صدیقی)

علمِ صحیح معیارِ کمال ہے
توحید فی الاعتقاد و اخلاص فی العمل ہمارا سرمایۂ نجات ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وجودِ حقیقی و وجودِ اعتباری

تماشا گاہ ہے عالم کسی استادِ کامل کا ؛ یہ ہم تم کیا ہیں گویا سینما کی چند تصویریں

(حسرت صدیقی)

سامنے پردہ نظر آرہا ہے۔ آپ چھو کر محسوس بھی کر سکتے ہیں کہ پردہ ہے اور موجود ہے۔ جس کے ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

پردہ ایک خارجی شئے ہے جس کو دیکھ کر آپ اُس کے ہونے کو سمجھ رہے ہیں۔ گویا آپ کی عقل نے پردہ کو الگ اور اس کے ہونے کو الگ کیا اس کو تحلیل کرنا کہتے ہیں۔ پردہ کا وجود تو خارج میں موجود ہے۔ جو مابہ الموجودیۃ کہلاتا ہے اور آپ جو اُس کو "ہے" کہہ رہے ہیں "ہے" سمجھ رہے ہیں۔ انتزاع کر رہے ہیں یہ معنیٰ ہیں جو ذہن میں رہتے ہیں اس کو "کون وحصول" کہتے ہیں۔

اب اس پر تصویر نظر آنے لگی۔ اگر پردہ ہٹا لیا جائے تو تصویر کا ظہور نہیں ہو سکتا۔ گویا تصویر کا قیام پردہ کے قیام پر منحصر ہے۔

پردہ سے تصویر کا قیام ہے نہ کہ تصویر سے پردہ کا قیام۔ پردہ حقیقی ہے اور تصویر خیالی۔ مثال کے طور پر، پردہ پر ایک خوبصورت بچہ نظر آرہا ہے۔ آپ نے فرطِ محبت سے اُس کو پیار کیا تو آپ کے ہونٹ پردہ کو مَس کئے۔ اور ہونٹوں کو بچہ کے جسم کا احساس ہرگز نہ ہو سکا

البتہ پردہ کے وجود کا احساس ضرور ہوا جو وہاں حقیقت میں موجود ہے۔ اور آپ فوراً اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ پردہ پر بچہ کا وجود خیالی ہے، اعتباری ہے، انتزاعی ہے۔ حقیقی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا وجود پردہ کے وجود سے سمجھ میں آرہا ہے۔ لہٰذا پردہ حقیقی ہے۔ یعنی فی الحقیقت موجود ہے، بالذّات ہے۔ اور اس پر کی تصویر بالعرض ہے۔ اپنے آپ موجود نہیں ہے۔ تصویر اپنے ظہور کے لئے پردہ کی ہر آن محتاج ہے۔ اور یہی احتیاج تصویر کی ذاتی صفت ہے جو اس سے کبھی دور نہیں ہو سکتی۔ اور پردہ اپنے قیام میں تصویر کا محتاج نہیں۔

بلاتشبیہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا وجود، واجب الوجود ہے۔ بالذّات ہے یعنی اس کا ہونا اُس کی ذاتی صفت ہے، وہ اپنی ذات سے قائم ہے۔ اور اپنے قیام کے لئے کسی دوسرے کا محتاج نہیں۔ اس کے برعکس بندوں کا وجود، مخلوقات کا وجود، ممکنات کا وجود اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ اُس کے وجود سے سب کا وجود ہے۔ سب کا قیام ہے جس طرح تصویر اپنے قیام اور ظہور کے لئے پردہ کی ہر آن محتاج ہے اسی طرح ہم بھی اپنے ظہور اور اپنے وجود کے لئے ہر آن اللہ کے وجود کے محتاج ہیں۔

حقیقتِ ممکن یا معلوم الٰہی

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ تصاویر اصل میں ہیں کہاں؟ اور ان کی حقیقت کیا ہے؟ یہ تصاویر ایک پوشیدہ خزانے یعنے فلم کی ریل میں ہیں

اب یہ جاننے کے لئے کہ اس ریل میں کیا کیا باتیں پوشیدہ ہیں اُس کی نمائش ہوئی۔ جو نمائش سے پہلے ایک سربستہ راز تھیں۔ ریل کی تصاویر پردہ پر نمایاں ہونے لگیں تو پردہ نظر سے چھپ گیا اور تصاویر ظاہر ہو گئیں گویا تصاویر، پردہ پر ایک اعتباری پردہ بن گئیں۔ ریل میں کی تصاویر صفتہً نمایاں ہوتی گئیں تو پردہ ذاتاً چھپتا گیا، پنہاں ہوتا گیا۔ ؎

جو نہو اُسی کی نمود ہو نہ نمود اصل وجود ہو
کوئی کیا بتائے کمال جو ہے خیالِ شعبدہ باز میں (حضرت صدیقی)

ان تصاویر کا ظہور پردہ پر بالکل ویسا ہی ہو رہا ہے جیسا کہ سینما کی ریل میں ہے۔ روشنی کے سامنے جو ریل کی پتی ہے اور اس میں جو تصویر ہے اُس کا ظہور پردہ پر من وعن ہو رہا ہے۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ پتی میں مرد کی تصویر تھی اور پردہ پر عورت کی تصویر کا ظہور ہو گیا۔ پتی میں ہاتھی کی تصویر تھی اور پردہ پر گھوڑا نمایاں ہو گیا۔

بلا تشبیہہ سینما کی پوری ریل کو علم الٰہی سمجھئے۔ ریل میں جو تصویریں ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے معلومات کی مثال ہیں۔ جن کو معلوماتِ الٰہیہ، حقائقِ ممکنات، یا اعیانِ ثابتہ کہتے ہیں۔ اور روشنی جو تصاویر کو من وعن ظاہر کر رہی ہے اسماء وصفاتِ الٰہی کی تجلی کی مثال ہے۔

اس نوبت پر بات اس طرح سمجھ میں آئی کہ اللہ کے علم میں معلومات ہیں جو ہماری یعنے مخلوقات کی، ممکنات کی حقیقتیں ہیں۔ یہ اُس وقت سے ہیں جب سے کہ اللہ کا علم ہے۔ اللہ کا علم اُس وقت سے ہے جب سے کہ اللہ کی ذات ہے۔ اور اللہ کی ذات قدیم ہے یعنی ہمیشہ ہمیشہ سے ہے۔ ازل سے ہے۔ لہٰذا اللہ کے معلومات بھی ازلی اور قدیم ہیں

اگر اللہ کے علم کو اُس کی ذات کے ساتھ قدیم نہ مانا جائے تو جہل لازم آتا ہے۔ اِسی طرح اُس کی ذات کو ازلی نہ مانا جائے تو پہلے عدم کو ثابت کرنا پڑے گا۔ و نیز اگر اللہ کی ذات کو ابدی یعنے ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا نہ مانا جائے تو پھر اُس کے لئے موت یا فنا یا تغیرات کو ثابت کرنا پڑیگا جس کو فنا ہو اُس کا پیدا ہونا اور عدم سے وجود میں آنا بھی ضروری ہوتا ہے اور یہ سب ممکنات اور مخلوقات کے صفات ہیں۔ اور خدا تو مخلوقات کو پیدا کرتا ہے۔ نیست سے ہست کرتا ہے، وہ مخلوق ہونے، پیدا ہونے، اور فنا ہونے سے پاک ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی ہے ہمیشہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ اس کا علم اور علم میں معلومات اور اس کے سارے صفات اس کی ذات کے ساتھ ازلی اور ابدی ہیں۔

جس طرح فلم کی ریل میں کی تصویر روشنی پڑنے سے پردہ پر جو خارج میں موجود ہے، من وعن نمایاں ہوگئی تھی، بلا تشبیہ جب حقیقتِ ممکن پر یا عین ثابتہ پر اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی تجلی ہوئی اور وہ اللہ کے وجود سے جو خارج میں موجود ہے ملی تو ظاہر ہوگئی۔ اسی طرح اللہ کے علم میں مخلوقات اور ممکنات کی حقیقتوں کے عین مطابق سارے عالم کی نمائش ہو رہی ہے اور دنیا میں ہمارا ظہور ہو رہا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اللہ نے جانا کچھ اور ظاہر ہو گیا کچھ۔

عدم

پردہ پہلے نمایاں تھا، ظاہر تھا اور تصویر ظاہر نہ تھی۔ اب جب کہ تصویر پردہ سے ملی تو پردہ نظر سے چھپ گیا، باطن ہوگیا اور تصویر

جو باطن تھی ظاہر ہوگئی، نظر آنے لگی۔ حالانکہ تصویر کی موجودگی میں بھی آپ کی نظر پردہ ہی پر ہے۔ مگر لاکھ کوشش کریں پردہ نظر نہیں آسکتا اور تصاویر ہی نظر آئینگے۔ پردۂ سیمین پر مرد، عورتیں، جوان، بوڑھے، بچے سب ہی نظر آرہے ہیں۔ اسی طرح آبشار، دریا، سمندر، ریگستان جنگلات، باغات، چرند، پرند، درند، آسمان، زمین، سورج، چاند بہرحال ایک عالم نظر آرہا ہے۔ ان تصاویر میں اتنی دلکشی اور اتنی جاذبیت ہے کہ آپ ان کے دیکھنے میں گم ہوگئے اور اتنے محو ہوگئے کہ پردہ کا خیال ذہن سے نکل گیا۔ اور آپ پردہ سے غافل ہوگئے تصاویر نے آپ کے خیال کو اتنا مسحور کیا کہ آپ اُن میں نہ صرف الجھ کر رہ گئے بلکہ ان تصاویر کو حقیقی سمجھنے لگے اور ان کے خیالی، اعتباری اور عدمی ہونے کی طرف سے آپ کا خیال، آپ کا ذہن ہٹ گیا۔

اس منزل پر بات کیا سمجھ میں آئی ؟۔ یہی نا کہ پردہ جو حقیقت میں موجود ہے اور ظاہر و باہر ہے وہ نظر سے چھپ گیا! اوجھل ہوگیا بالفاظ دیگر ہمارے خیال میں اعتباری بن گیا اور اس پر کی تصاویر جو خیالی تھیں، اعتباری تھیں، عدمی تھیں فی الحقیقت موجود معلوم ہو رہی ہیں۔ حالانکہ وہاں پردہ کے سوا درحقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔ پردہ پر عورت، مرد یا بچہ یا دیگر اشیاء جو ظاہر و باہر نظر آرہے ہیں ان کو ذرا ہاتھ تو لگاؤ ابھی حقیقت کھل جاتی ہے۔

ع ہے سو ہے نا ہیں سو نا ہیں۔

ہے عجب رہ حقیقت کہ نہیں نشانِ خلقت
یہ کہاں مجالِ باطل کہ وہاں دوچار ہوتا (حسرت صدیقی)

تصویر کو چھونے محسوس کرنے چلے تھے اور محسوس ہوا پردہ ۔ اور تصویر نے اپنے عدمی ہونے کا یقین کرا دیا۔ عدم اور پایا جائے ناممکن۔ وہ عدم ہی کیا ہوا جو موجود ہو جائے موجود ہونا صرف وجود کی شان ہے پردہ اگر وجودِ محض ہے تو اُس پر تصویر عدمِ محض ۔ نظر پردہ پر ہے اور تصویر سمجھ میں آرہی ہے ۔ پردہ محسوس ہے اور اُس پر کی تصویر معقول ہے ۔ جب تک پردہ محسوس نہ ہو اُس پر کی تصویر ہرگز سمجھ میں نہیں آسکتی (من عرف نفسه فقد عرف ربه)

پردہ پر تصاویر کے نمایاں ہونے سے پردہ کی ماہیت اور حقیقت پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوا ۔ پردہ متاثر نہیں ہوا بلکہ اپنی جگہ جوں کا توں ہے ۔ پردہ تصاویر کے ظہور سے پیشتر جیسا تھا تصاویر کے ظہور کی حالت میں بھی الآن کما کان ہے ۔

آپ ہم اور سارے مخلوقات جو نظر آرہے ہیں، سارا عالم جو نظر آرہا ہے تصاویر کی طرح اعتباری ہے ۔ عدمی ہے ۔ اور ذاتِ حق، وجودِ مطلق ہی حقیقت میں موجود ہے ۔ جس طرح ہماری نظر پردہ پر تھی اور پردہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا اسی طرح ہماری نظر وجودِ مطلق پر پڑ رہی ہے جو بالذات موجود ہے ۔ وجود نہ ہوتا تو نظر پھر کس پر پڑتی ۔ اور وجود خدا ہی کا ہے ۔ مگر دنیا کی رنگا رنگی اور مخلوقات کی دلکشی نے ہماری توجہ کو وجودِ مطلق سے ہٹا کر اپنی نیرنگیوں میں الجھا لیا ہے ۔ اور ہم خدا کے وجود سے جو حقیقت میں موجود ہے ظاہر و باہر ہے ۔ جس کی وجہ سے ہمارا ظہور رہے، ہماری نمائش ہے غافل ہو گئے ہیں اور مخلوقات کو جو غیر موجود ہیں فی الحقیقت موجود سمجھ رہے ہیں ۔ ع

میں ہوں بھی سہی اور نہیں ہوں بھی سہی
حسرتؔ عجب تماشا ہوں میں

ہمارے ظہور سے ذاتِ مطلق میں وجودِ حقیقی میں نہ کمی ہوئی اور نہ اضافہ ہی ہوا اور نہ کوئی تغیر ہی آیا۔ بلکہ تصاویر کے ظہور کے باوجود پردہ جیسے جوں کا توں تھا بلا تشبیہہ وجودِ مطلق بھی مخلوقات کے ظہور کے باوجود جوں کا توں ہے الآن کما کان ہے۔

وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت

آپ کے سامنے سینما کا پردہ ایک ہے یا متعدد ہیں؟ یہ تو بچہ بھی کہے گا کہ پردہ ایک ہی ہے۔ اچھا آپ سینما میں دیکھ لیجے ہیں کہ ایک میلہ لگا ہے۔ دوکانوں میں کہیں طرح طرح کا کھلونا ہے کہیں رنگ برنگ کے کپڑے ہیں مختلف ڈزائن کے زیورات ہیں، کسی دوکان پر خوش رنگ میوہ ہے۔ کافی ہوس بھی ہے۔ اسٹیج پہ ڈرامہ بھی ہو رہا ہے۔ کہیں مداری کھڑا بندر نچا رہا ہے۔ بچے دھوم مچا رہے ہیں موٹریں، سائکلیں اور رکشا کی قطاریں لگی ہیں۔ عورتوں، بچوں اور مردوں کی ایک بھیڑ ہے۔

میلہ میں جو کثرت آپ دیکھ رہے ہیں، پردہ اس کثرت کی نمائش کی وجہ کیا کثیر ہو گیا؟ ہرگز نہیں پردہ جوں کا توں ہے۔ ایک کا ایک ہے تصاویر کی اس خیالی کثرت سے پردہ کی حقیقی وحدت متاثر نہیں ہو سکتی۔ پردہ اپنی وحدت کو متاثر کئے بغیر تصاویر کی کثرت کو نمایاں کر رہا ہے۔

اچھا! پردہ پر ہم ایک عورت کو دیکھ رہے ہیں جو کھڑی ہوئی اپنے بچہ کو جھولے میں سلا رہی ہے۔ اور بچہ جھولے میں لیٹا ہوا ہے۔ عورت کو کھڑا ہوا اور بچہ کو لیٹا ہوا ہم اسی وقت کہہ سکتے ہیں جب کہ ان میں ایک ایسی حالت مشترک ہو جس کو دیکھ کر ہم کھڑے رہنے اور لیٹے رہنے کو سمجھ سکیں، دیکھ سکیں یا انتزاع کر سکیں اور وہ مشترک حالت اِن کا "ہے پن" ہے اور اِن کا یہ "ہے پن" دراصل پردہ کی وجہ سے ہے۔ جو وہاں حقیقت میں موجود ہے۔ اگر پردہ ہٹا لیا جائے تو ان کا "ہے پن" بھی باقی نہیں رہ سکتا تصاویر کی طرف توجہ کریں تو پردہ کا خیال تحت الشعور ہو جائیگا اور تصاویر شعور میں رہیں گے۔ اور اگر تصاویر کی کثرت میں ان کے "ہے پن" کی طرف توجہ کریں، تصاویر کے منشاء کی طرف توجہ کریں تو تصاویر اور ان کی کثرت تحت الشعور میں چلی جائیگی اور شعور میں صرف ایک "ہے" باقی رہ جائیگا جو ان خیالی اور اعتباری تصاویر کو نمایاں کرنے کی اصل ہے یعنی پردہ جس طرح پردہ کی وحدت تصاویر کی خیالی کثرت کی وجہ متاثر نہیں ہو سکی، اس طرح بلا تشبیہ مخلوقات کی کثرت کی نمائش کی وجہ اللہ کے وجود کی وحدت متاثر نہیں ہو سکتی اور اللہ کا وجود باوجود مخلوقات کی کثرت کو نمایاں کرنے کے ایک کا ایک ہے۔

یہاں پر ایک پُر لطف بات ہے۔ وہ یہ کہ:۔

تصاویر کی کثرت کی وجہ پردہ جو واحد محض ہے اور حقیقت میں موجود ہے تصاویر کی طرف نسبت پاکر ان کی کثرت کے مطابق کثیر معلوم ہو رہا ہے اور تصاویر جو کثیر ہیں اور خیالی ہیں، اعتباری ہیں اور حقیقت میں پردہ کی طرح خود موجود نہیں ہیں پردہ سے نسبت پاکر موجود سمجھ میں آرہے ہیں۔ عہ

تو ہم ہے تو ہم ہے نہ قلت ہے نہ کثرت ہے
جو سمجھیں یہ تو حیرت ہے نہ سمجھیں یہ تو حیرت ہے

مثال سے اب اصل بات سمجھئے۔ مخلوقات کی کثرت کی وجہ، وجودِ مطلق جو واحدِ محض ہے اور حقیقت میں موجود ہے مخلوقات کی طرف نسبت پاکر کثیر نظر آرہا ہے اور مخلوقات جو کثیر ہیں اور حقیقت میں موجود نہیں ہیں، وجودِ حقیقی سے نسبت پاکر موجود سمجھ میں آرہے ہیں۔

ہر معلوم کو وجود سے ایک ربط ہے، ایک نسبت ہے۔ اس نسبت کی وجہ سے معلوم کو موجود کہہ رہے ہیں۔ ؎

دائرہ سے منتزع ہیں مرکز و قطر و محیط
شانِ وحدت سے ہوئی ہے شانِ کثرت آشکار (حضرت صدیقی)

سینما کے پردہ پر کیا چیز نظر آرہی ہے "تصویر" اور تصویر کہاں ہے؟ وہاں تو صرف پردہ ہے۔ جو موجود اور مشہود ہے۔

بلاتشبیہ آپ ہم اور سارے مخلوقات جو نظر آرہے ہیں اس پر غور کیجئے! اصل میں معلومات الٰہیہ کا ظہور ہو رہا ہے۔ اور موجود تو صرف وجود ہے اور وہی دراصل مشہود ہے۔ یا وجود انت الموجود وما سواك مفقود

تقدیر

اچھا اب سینما کی ریل کی طرف توجہ کیجئے۔ اس ریل میں ہزارہا پتیاں ہیں۔ جن میں (Story) کہانی، پوری باقاعدگی اور ایک بہترین نسب العین اور نظام کے ساتھ فلم کی ریل میں محفوظ ہے، موجود ہے۔ ہیرو، ہیروئن، بادشاہ اور ملکہ کا پارٹ انجام دے رہے ہیں۔ ان کے

علاوہ متعدد کردار بھی ہیں۔ ہر ایک اپنا اپنا رول (ROLE) ادا کرتا ہے۔ وزیر اعظم، دیگر وزراء اور ان کے محکمہ جات۔ کمانڈر انچیف افواج اور ساری فوج۔ انسپکٹر جنرل پولیس۔ اور سارا محکمہ پولیس۔ میر مجلس عدالت تحت کی عدالتیں اور اس کے متعلقہ ملازمین چپراسی تک، ونیز علماء، فضلاء، حکماء، تاجر۔ کسان۔ دھوبی۔ حجام، چور، ڈاکو سب ہی پردۂ سیمین پر پورے فلم میں نظر آرہے ہیں اور اپنا اپنا مفوضہ پارٹ انجام دے رہے ہیں۔ اگر یہ تمام کردار نہ رکھے جاتے تو کہانی میں دلچسپی پیدا نہ ہوسکتی اور ایک کردار کا دوسرے کردار سے کیا ربط و تعلق ہے اور یہ کس طرح ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں سمجھ میں نہ آسکتا۔ اس پوری کہانی میں دراصل ہر کردار کی ایک کہانی پیش ہورہی ہے۔ اس طرح کئی کہانیوں سے اصل کہانی سمجھ میں آرہی ہے۔ ایک حرکت سے دوسری حرکت کو ایک ربط و تعلق ہے جس کی بناء پر ایک تسلسل سمجھ میں آرہا ہے۔ ہر پچھلی حالت آنے والی حالت کا پیش خیمہ ہے اور ہر موجودہ حالت گذری ہوئی حالت کے نتیجہ کے طور پر ظاہر ہورہی ہے۔ گویا یہ اقتضاءات ہیں جو نمایاں ہورہے ہیں۔ یا یوں سمجھو کہ ہر کردار کی خصوصیات نمایاں ہورہی ہیں۔ یا ہر کردار اپنی صلاحیتیں پیش کررہا ہے ہر کردار کے افعال کہانی میں اس کے رول کو متعین کررہے ہیں اور اس کے صحیح موقف کو واضح کررہے ہیں۔ اس طرح تمام اداکاروں کے رول کو ایک ساتھ دیکھا جائے تو پوری کہانی کا ایک مقصد سمجھ میں آتا ہے۔ یہ مقصد اُس وقت تک سمجھ میں نہ آسکتا جب تک کہ اس کو ایک خصوصی نظام کے ماتحت اپنے اپنے رول کے عین مطابق اداکار اپنی

اداکاری سے نمایاں نہ کرتے۔ اگر اس نظام میں ذرا سی بھی بے ترتیبی یا بدنظمی پیدا ہو جائے تو کہانی کے تسلسل، اس کی باقاعدگی اور باضابطگی میں فرق آ جائیگا اور نصب العین متاثر ہوگا۔ دلچسپی برقرار نہ رہے گی بلکہ بدذوقی کا ثبوت فراہم ہوگا۔ مثلاً بادشاہ لگے کسی کی داڑھی بنانے حجامت کرنے، جو اس کے رول کے بالکل منافی اور فلم کے نظامِ خصوصی کے مغائر ہے۔

ع ہر یکے را بہر کارے ساختند

کہانی کی یہ نمائش جو ایک نظامِ کلی کے ماتحت ہو رہی ہے "قدر" کی مثال ہے۔ یعنے ہر کردار کی ایک ایک حرکت جو پوری کہانی میں فلم کی ریل میں محفوظ ہے اُس کی "تقدیر" ہے اُس تقدیر کے ماتحت جو ایک ایک حرکت پردہ پر نمایاں ہو رہی ہے وہ قضاء کی مثال ہے۔

اس مثال کو سامنے رکھ کر عالم کی نمائش پر غور کیجئے کہ عالم میں جو کچھ نمایاں ہوا، ہو رہا ہے یا ہوگا، وہ ایک خصوصی نظام کے ماتحت ہے جو علم الٰہی میں ہے، بس وہی تقدیر ہے۔ اُس تقدیر کے عین مطابق جو جو جزئیات ہم سے یعنے مخلوقات سے نمایاں ہو رہے ہیں قضاء ہے۔

معیارِ تقدم و تأخر

ریل میں کی وہ پتی یا اس میں کی تصویر جو روشنی کے سامنے ہے اور جس کا ظہور پردہ پر ہو رہا ہے "حال" ہے آنے والی پتیاں جن کے تصاویر کا ظہور یکے بعد دیگرے ہونے والا ہے "مستقبل" کی تعریف میں آئیں گے اور اسی طرح گزری ہوئی پتیاں جن کے تصاویر کا ظہور پردہ پر اپنے وقت پر ہو چکا "ماضی" سمجھے جائیں گے۔ ماضی اور مستقبل ظاہر میں موجود نہیں ہیں، غیر موجود ہیں

لہٰذا عدمی ہیں، اعتباری ہیں، اضافی ہیں۔ اور صرف حال ہی ہے جو قابل توجہ ہے۔ ماضی اور مستقبل صرف سمجھنے کی بات ہے۔ ریل کے اعتبار سے دیکھا جائے تو سب تصاویر ریل میں موجود ہیں؛ خواہ ان کا ظہور پردہ پر ہو چکا ہو یا ہو رہا ہو یا ہونے والا ہو۔ حال مستقبل اور ماضی زمانہ اور خلق سے متعلق ہیں۔ مستقبل اور ماضی عدمی ہیں اور ہے سو بس حال ہی ہے جو پیش نظر ہے۔

تقدم و تاخر زمانی فلم میں پردہ پر نمایاں ہونے والی تصاویر کہ بادشاہ تخت شاہی پر چڑھ رہا ہے پھر کرسی پر بیٹھ رہا ہے اسکے بعد کرسی پر بیٹھ گیا ان تینوں حالتوں کو بوقت واحد آپ پردہ پر نہیں دیکھ سکتے۔ ایک حالت یا ایک حرکت کا مقابلہ دوسری حالت یا دوسری حرکت سے کیا جائے تو ایک تقدم و تاخر سمجھ میں آئیگا۔ ان حالتوں یا حرکتوں کا تعلق پردہ پر ظہور سے ہے یا متعلق خلق ہونے سے زمانہ سے ہے۔ لہٰذا یہ "تقدم و تاخر زمانی" ہے جس میں ایک نو پیدا کا مقابلہ بعد پیدا ہونے والی چیز سے کیا جا رہا ہے۔ فلم میں بادشاہ کا تخت شاہی پر چڑھنے کی حالت کا مقابلہ بادشاہ کے کرسی پر بیٹھنے کی حالت سے کیا جائے تو تخت پر چڑھنے کی حالت مقدم بالزمانہ ہے اور کرسی پر بیٹھنے کی حالت مؤخر بالزمانہ ہے جو تصاویر کے پردہ پر ظہور کے اعتبار سے ہے۔ اسی طرح پردادا کے بعد دادا، بیٹے سے پہلے باپ باپ سے پیشتر دادا، بیٹے کے بعد پوتا اس کے بعد پڑپوتا یہ تقدم و تاخر زمانی کی مثالیں باعتبار تخلیق مخلوقات ہیں۔ اسی تقدم و تاخر زمانی کو باعتبار افعال ملاحظہ کیجئے۔ زید بیڈ روم (Bed Room) سے نکلا باتھ روم (Bath Room) گیا نہایا کپڑے تبدیل کئے۔ نماز کے کمرہ میں نماز پڑھی۔ ڈائننگ ہال (dining Hall)

پہنچا وہاں ناشتہ کیا۔ ٹی لاؤنج (Tea lounge) میں چائے پی پھر ڈریسنگ روم (Dressing Room) میں کپڑے تبدیل کئے۔ بیوی بچوں کو خدا حافظ کہا۔ صحن سے ہوتا ہوا پھاٹک کے باہر ہوا۔ راستوں سے گذرتا ہوا دفتر پہنچا۔ اوقات دفتر کے بعد برخواست کیا اور مکان واپس ہوا۔ بیوی بچوں نے خوش آمدید کہی۔ ان تمام افعال کا ظہور یکے بعد دیگرے ہے۔ جن میں تقدم اور تاخر سمجھ میں آرہا ہے۔ مگر افعال کی نمائش صرف حال میں ظہور پذیر ہے اسی طرح بچپن۔ لڑکپن، نوجوانی، جوانی، ادھیڑپن، بڑھاپے کا حال باعتبار صفات ہے جس سے ایک زندگی سمجھ میں آرہی ہے۔ ایک ارتقاء معلوم ہو رہا ہے۔ جو مسلسل ہے۔ ارتقاء نہ ہوتا تو تبدیلی نہ ہوتی اور کوئی شئے اپنے کمال کو نہ پہنچتی۔

تقدم و تاخر دہری تقدم و تاخر دہری کو سمجھانے کے لئے سینما کی مثال ناکافی ہے اس لئے اس کا اظہار مثال سے ہٹ کر اجمالاً کر دیا جاتا ہے۔

اس دنیا، یا عالم اجسام یا عالم ناسوت میں جتنی چیزیں ہیں وہ تدریجی ہیں یعنے رفتہ رفتہ، آہستہ آہستہ پیدا ہوتی ہیں اور متعلق بہ زمانہ ہیں اور حادث زمانی کہلاتی ہیں اور اس عالم کی اشیاء میں تقدم و تاخر باعتبار زمانہ ہے۔ جیسا کہ پیشتر گذرا۔

اِس عالم یعنے عالم دنیا کے علاوہ اور بھی عوالم ہیں۔ جو تدریجی نہیں بلکہ غیر تدریجی ہیں۔ مثلاً عالم ارواح، عالم مثال اِن عوالم کا تعلق زمانہ سے نہیں ہے بلکہ دہر سے ہے۔ لہذا وہ حادث زمانی نہیں بلکہ حادث دہری کہلاتے ہیں۔ جو چیز دفعۃً پیدا ہوتی ہے اور اپنے پورے کمال ہی کے ساتھ پیدا ہوتی ہے وہ حادث دہری کہلاتی ہے۔ مثلاً فرشتے جن کا

تعلق عالم ارواح سے ہے زمانہ سے مقدم ہیں لہذا قدیم زمانی ہیں۔ یعنے کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا۔ جس میں فرشتے نہوں۔ مگر ہیں وہ حادث لہذا فرشتے حادثِ زمانی نہیں بلکہ حادثِ دھری ہیں۔ اسی طرح روح اعظم (روح محمدی) کا حال ہے جس کی تفصیل سارے ارواح جزئیہ ہیں۔ روح اعظم، ارواح جزئیہ سے متقدم ہے یا عالم مشہودات سے متقدم ہے اس تقدم و تأخر کو تقدم و تأخر دہری کہا جاتا ہے (عالم ارواح، روحِ اعظم، ارواح جزئیہ، عالم مثال کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو حضرت بحر العلوم کی تصنیفات المعارف حصہ اول و دوم اور حکمتِ اسلامیہ)

تقدم و تأخر سرمدی روشنی (یعنے اسماء و صفاتِ الٰہی کی تجلی) فلم کی پتی میں کی تصویر (یعنی معلوم الٰہی) دونوں قدیم ہیں، ازلی ہیں۔ مگر پھر بھی ان دونوں میں تقدم و تأخر ایک سمجھنے کی بات ہے۔ ایک اعتبار سے کہ روشنی پہلے ہے اور رین کی پتی میں کی تصویر بعد مگر ہیں تو یہ دونوں معاً ورنہ پردہ پر تصویر کا ظہور نہ ہو سکتا۔ بلا تشبیہ اسی طرح اللہ کی ذات بھی قدیم اور اس کا علم بھی قدیم، علم کے علاوہ دیگر صفات بھی قدیم مگر کہنے سمجھنے میں خدا کی ذات پہلے اور اس کے صفات بعد ہیں۔ ایسے تقدم و تأخر کو تقدم و تأخر سرمدی کہتے ہیں۔

کُنْ فَیَکُوْنُ

ادھر فلم کی پتی پر روشنی پڑی اور اُدھر تصویر پردہ پر نمایاں ہو گئی فلم کی پتی میں کی تصویر پر روشنی کے اثر ڈالنے کو "کُنْ" سمجھئے۔ اور فلم کی پتی میں کی تصویر کے پردہ پر نمایاں ہو جانے کو "فَیَکُوْنُ"

حقیقتِ شئے کا نمایاں ہو جانا فیکون ہے۔ اس مثال سے اب اصل بات سمجھئے۔ اسماء و صفاتِ الٰہی کے اعیانِ ثابتہ، حقائقِ ممکنات، معلوماتِ الٰہی پر اثر ڈالنے کا نام حکم "کُن" ہے اور عیانِ ثابتہ کا معلوماتِ الٰہیہ کا نمایاں ہو جانا، ظاہر ہو جانا، پیدا ہو جانا "فیکون" ہے۔

"کُن" حکم ہے اور "فیکون" اس کا اثر ہے۔

ریل میں تصاویر کا ہونا ریل کے ساتھ ہے اور اس میں کی تصاویر کا ظہور روشنی کے پڑنے، اثر ڈالنے یعنی کُن کے ساتھ ہے چونکہ تصاویر کی حقیقتیں ریل میں غیر متغیر ہیں لہٰذا قدیم ہیں۔ اور اُن کا ظہور پردہ پر اپنے اپنے وقت پر ہے۔ لہٰذا پردہ پر باعتبارِ ظہور متغیر ہیں۔ جس چیز میں، جس شئے میں تغیر ہوتا ہے وہ حادث ہوتی ہے لہٰذا پردہ پر تصاویر باعتبارِ ظہور متغیر ہیں لہٰذا حادث ہیں۔ اسی طرح حقائقِ ممکنات علم الٰہی کے اعتبار سے قدیم ہیں اور ظہور کے اعتبار سے ان کی نمائش حادث ہے۔ کیونکہ قیام، حادث کی ذاتی صفت نہیں۔

تجدّدِ امثال

پردہ پر تصاویر میں جو حرکت سمجھ میں آرہی ہے وہ ریل کی پتیوں کے روشنی کے سامنے سے تیزی سے گذرنے کی وجہ ہے۔ پردہ پر ہم کو پتی کے بدلنے کا احساس اس لئے نہیں ہو رہا ہے کہ تصویر قائم نظر آرہی ہے۔ اور تصویر اسلئے قائم نظر آرہی ہے کہ اُس میں وقفہ قابلِ لحاظ نہیں ہے۔ وقفہ کے قابلِ لحاظ نہ ہونے کی وجہ پتیوں کا نہایت تیزی سے حرکت میں آنا ہے۔ دراصل دیکھا جائے تو تصاویر کا ظہور پردہ پر یکے بعد دیگرے

ہو رہا ہے۔ یعنے ایک تصویر پردہ پر نمایاں ہوئی اور غائب ہوگئی۔ فوری دوسری تصویر نے اس کی جگہ لے لی۔ یہ عمل اس تیزی سے قائم ہے کہ تصویر حرکت کرتی اور قائم نظر آرہی ہے۔ روشنی کا ریل کی ایک پتی پر اثر ڈالنا اُس میں کی تصویر کو نمایاں کرنا ہے، وجود عطا کرنا ہے۔ اور فوری اُس پتی کا روشنی کے سامنے سے ہٹ جانا اُس پتی کی تصویر کے ظہور کو غائب کر دینا ہے۔ فنا کر دینا ہے۔ (حضرت صدیقی)

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ — ہر دم تازہ جلوت ہے

اگر ایک ہی پتی روشنی کے سامنے قائم ہو جائے تو تعطل ہو جائے گا ترقی ختم ہو جائیگی۔ حرکت اور حیات نمایاں نہ ہو سکے گی۔ خلل آجائے گا۔ اگر پتی پر روشنی نہ پڑے تو تصاویر کے ظہور میں آسکنے کی اب صورت کہاں؟

چونکہ پوری ریل کی نمائش کا ظہور ہونا ضرور ہے لہٰذا ریل کی پتیوں کا حرکت میں آنا اور اس پر روشنی کا مسلسل پڑتے رہنا بھی ضرور ہے ورنہ فلم کی نمائش جو مقصود ہے مفقود ہو جائیگی۔

بلاتشبیہ مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کی قہر احدیت فنا کرتی جا رہی ہے اور شانِ رحمانیت پھر سے تازہ وجود عطا کرتی جا رہی ہے۔ یہ عمل اس تیزی سے ہو رہا ہے کہ ہم قائم، زندہ اور حرکت کرتے سمجھ میں آرہے ہیں۔ اسی کو تجدّدِ امثال کہتے ہیں۔ (جس کو نفسِ رحمانی کا بھی نام دیا گیا ہے) گویا دو عدموں کے درمیان تجدّد امثال کی جو ساعت ہے جس کا تعین تو کجا تصوّر میں آنا دشوار ہے۔ یہی ساعت ہے جس میں ہماری نمائش ہے یا ہمارا قیام ہے اور یہ قیام بھی بذاتِ خود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جو قیوم ہے۔ اُس کے قیام سے ہے۔ و نیز خدائے تعالیٰ کے پاس سے جب تک حرکت نہ آئے کوئی حرکت

نہیں کر سکتا۔ کسی کی حرکت نمایاں نہیں ہو سکتی۔

فیضِ اقدس و فیضِ مقدس

فلم کی ریل میں تصاویر کی حقیقتوں کا نمایاں ہونا جن کی آئندہ پردہ پر نمائش ہونے والی ہے" فیضِ اقدس" کی مثال ہے یعنے ذاتِ خداوندی سے اُس کے علم میں ذوات و حقائق کا نمایاں ہونا فیضِ اقدس کہلاتا ہے۔ یہ مرتبہ قبلِ کُن ہے یعنے تصاویر کے پردہ پر ظہور سے پہلے کا ہے۔

تصاویر کی حقیقتوں پر جو ریل میں موجود ہیں جب روشنی پڑتی ہے اور وہ پردہ پر نمایاں ہو جاتی ہیں اور اپنے موجود ہونے اور خاص منشاء اور احکام کے مرتب ہونے کا ثبوت دیتی ہیں" فیضِ مقدس" کی مثال ہے یعنے حقیقتِ ممکن پر تجلّیاتِ اسماء و صفاتِ الٰہی کے پڑنے سے خارج میں موجود ہو کر منشاء آثار ہو جانا" فیضِ مقدس" کہلاتا ہے۔

خیر و شر

فلم میں ایک مفلس، غم زدہ اور مفلوک الحال شخص کو ایک سڑک کے کنارے بیٹھا ہوا دکھلایا جا رہا ہے۔ دوسرا شخص جو دیکھنے میں ذی وجاہت معلوم ہو رہا ہے اُدھر سے گذرا۔ اور مفلس کی ہیئت کذائی سے اس پر ترس کھا کر ایک سو روپیہ کا نوٹ اس کو دے کر اپنا راستہ لیا۔ نوٹ کا ملنا تھا کہ تونگری نے مفلسی کی جگہ لے لی۔ غم و یاس اب کہاں اُس غریب کی آنکھوں سے خوشی و شادمانی کی موجیں نکلنے لگیں۔ غریب خوش خوش گھر کا راستہ لیا۔ یہ سارا تماشہ دور سے ایک اور آدمی دیکھ رہا تھا۔ اس نے تعاقب

شروع کیا اور بغیر محسوس طریقہ سے وہ نوٹ اس کی جیب سے اڑا لیا۔ اور چلتا بنا۔ اور ایک دوسری ہی سڑک پر چلنے لگا۔ اس سڑک پر ایک اور آدمی ہاتھ پاؤں کا درست آملا۔ اور اس کی زبردستی تلاشی لی اور نوٹ لیکر اس کو مار بھگایا اور خود جدھر سے آیا تھا چلا گیا۔ ایک گھر میں پہنچا، یہاں کا حال یہ کہ ایک عورت ہے اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھوک سے بلک رہے ہیں اور موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ اب اُس آدمی نے وہ نوٹ عورت کو دیا پھر خود ہی جاکر نوٹ کو بھنایا کھانے پینے کی اشیاء خریدیں، کچھ میوہ اور دودھ لیا، عورت اور اس کے بچوں کو کھلایا پلایا اور اُن سب کی جان میں جان آئی۔

اِس طرف سے اطمینان ہونے کے بعد یہ شخص اُس آدمی کی تلاش میں روانہ ہوا جس کے پاس سے یہ اُس کی مرضی کے خلاف نوٹ حاصل کر لیا تھا اور خود اُس کی چوری سے واقف نہ تھا۔ تھوڑی تلاش میں اُس کو پا لیا اور اس سے عاجزی سے کہنے لگا میرا مقصد تم کو لُوٹنا نہیں تھا۔ اُس وقت میرے ساتھ روپیہ نہیں تھا اور فلاں مقام پر ایک عورت اور اُس کے معصوم بچے فاقوں میں مبتلا نہایت بدحال مرنے کے قریب تھے اور کوئی ان کا پرسانِ حال نہ تھا میں اپنے گھر جاکر روپیہ لاتا تو دیر لگتی، ان کی حالت ناقابلِ بیان تھی۔ مجھے تو جانوں کے تلف ہو جانے کا ڈر تھا۔ نہ معلوم یہ حالت اُن پر کب سے گذر رہی تھی کہ اس حالت کو پہنچے۔ میں تم سے رقم کا سوال کرتا تو شاید اجنبی ہونے سے تم نہ دیتے۔ مجھے تو ان کے جانوں کی پڑی تھی۔ اب چل کر تم تمہارے روپیئے مجھ سے لے لو۔ چنانچہ اُس کو ساتھ لے جاکر روپیئے لوٹا دیئے۔ اِس اچانک واقعہ سے چور کے سامنے

نیک عمل کے بالمقابل اپنے عمل کی خرابی سامنے آگئی۔ اور اپنی حرکت پر دل میں نادم ہوا اور وہ نوٹ لیکر اُس مفلس کی تلاش میں روانہ ہوا اور کہیں پڑا پایا جو روتا، خاک اُڑاتا اور آہیں بھر رہا تھا۔ اس چور نے اُس سے معافی مانگی اور روپیہ اُس کو واپس دے کر اُس کے گھر تک پہنچایا اور آئندہ چوری کرنے سے توبہ کی۔

مندرجہ بالا مثال میں ہم کو چند باتیں سمجھ میں آرہی ہیں۔

ایک سخی نے ایک مفلس کو سَو روپیہ کا نوٹ اس کے حال پر ترس کھا کر دیا۔ چاہتا تو اس سے کم بھی دیتا۔ مگر اس نے ایک خطیر رقم دی جس سے سخاوت نمایاں ہوئی۔ اور روپیہ نہ ہونے سے دوسرے کی مفلسی ظاہر ہو رہی تھی یعنی غنی کے مقابلہ سے فقیر متعین ہوا۔

روپیہ نہ ہونے سے مفلس حالتِ شر میں تھا۔ روپیہ ملنے سے حالتِ شر، حالتِ خیر میں مبدل ہوگئی۔ اور شادی و خرمی اُس کی آنکھوں اور چہرہ بشرہ سے نمایاں ہونے لگی۔ چور نے تعاقب کیا اور اس خوبی سے روپیہ اُڑا لیا کہ اُس کو خبر تک نہ ہوئی۔ اس طرح روپیہ اُڑا لینے سے چور کی چوری اور خبر ہوئے بغیر روپیہ اُڑا لینے سے چور کا کمال نمایاں ہوا۔ جب اُس غریب کو روپیہ چوری جانے کا علم ہوا تو یہ پھر سے حالتِ شر میں آگیا اور چور روپیہ پاکر حالتِ خیر میں۔

آگے کے واقعات سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ چور کے پاس سے جبراً روپیہ لینے والے کے سامنے دو شر تھے۔ اگر روپیہ جبراً نہ لے تو کئی جانوں کے تلف ہو جانے کا اندیشہ اور جانوں کا تلف ہو جانا شرِ عظیم ہے بالمقابل روپیہ زبردستی حاصل کر لینے کے۔ اور خود کسی کا روپیہ زبردستی لے لینا بھی

شر ہے مگر جانیں تلف ہو جانے کے بالمقابل کم شر ہے۔ جانوں کو بچانا خیر کثیر ہے۔ ایک شخص سے روپیہ اُس کی مرضی کے خلاف نہ لے کر گھر جا کر روپیہ لانا ایک خیر تھا مگر اس میں خیر کثیر کے چھوٹ جانے کا قوی امکان تھا جو شر کثیر کا باعث ہوتا۔ لہٰذا اُس نے شر کثیر کے سامنے ایک شر قلیل کو قبول کیا اور جانوں کو بچا کر شر کثیر کو واقع ہونے سے روک دیا۔ اور خیر کثیر حاصل کیا۔ اسی طرح خیر کثیر کے حصول کیلئے اُس نے ایک خیر قلیل کو ترک کیا اور بظاہر ایک شر کو اختیار کیا جو خیر کثیر کے حصول کا موجب بنا۔

گویا اس نے دو شر کے مقابل شر قلیل کو اختیار کیا اور دو خیر کے مقابل خیر کثیر کو حاصل کیا۔

بعد میں اِس شخص نے چور کو ڈھونڈ کر روپیہ لوٹایا۔ اگر نہ لوٹاتا تو شر ہوتا۔ روپیہ لوٹانے سے خیر نمایاں ہوا۔ اور یہ خیر چور کے تائب ہونے کا سبب بنا۔ چوری سے تائب ہونا خیر ہے اور چوری کرنا شر ہے۔ ہمیشہ چوری کرتے رہنا عوام کو شر میں مبتلا کرنا، ان کو نقصان پہنچانا، ان کے اطمینان کو بے اطمینانی میں میدل کرنا، امن کو بدامنی میں تبدیل کرنا شر کثیر ہے اور شر کثیر سے تائب ہونا خیر کثیر ہے۔

چور اس خیر کثیر تک نہ پہنچا اگر ابتداءً اُس سے چوری کا ایک شر نمایاں نہ ہوتا اور دوسرا شر خود اُس کے لوٹے جانے کا۔ بظاہر یہ شر جو فی الحقیقت شر سمجھ میں آ رہے ہیں، شر کثیر کے ازالے اور خیر کثیر کے حصول کا سبب بن گئے۔ غور کیجئے جس کو ہم شر سمجھ رہے تھے اب شر کہاں رہے۔

اچھا! چور تائب نہ ہوتا اگر اُس کے سامنے عمل خیر نہ آتا اور اس کا عمل اُس خیر کے بالمقابل ممیز نہ ہو جاتا۔ شر کی تمیز کا پیدا ہونا تھا کہ

اُس میں ندامت کا احساس پیدا ہو گیا۔ اور یہ احساسِ ندامت ہی دلی اعمال کی جان ہے۔ احساسِ ندامت جس قدر شدید ہوگا خیر کی طرف رجوع اتنا ہی قوی ہوگا۔

چنانچہ احساسِ ندامت ہی تھا جو چور کے حق میں موجبِ خیر بنا اور اُس نے مفلس کو روپیہ لوٹا دیا جو چوری سے حاصل کیا ہوا تھا۔ مفلس جو ابتداءً حالتِ شر میں تھا اور سخی کی سخاوت سے حالتِ خیر میں آگیا تھا، روپیہ چوری جانے سے حالتِ شر میں عود کر آیا تھا۔ اب دوبارہ روپیہ پاکر پھر سے حالتِ خیر میں آگیا۔ ان مثالوں سے واضح ہو رہا ہے کہ حالت بدلنے سے حکم بدل رہا ہے۔ کبھی حالتِ شر ہے تو کبھی حالتِ خیر۔ اس سے معلوم ہوا کہ بدلنے والی حالتیں جن کو قیام نہ ہو وہ ظہور کے اعتبار سے ہیں اور اضافی ہیں۔ اور اضافیات ایک دوسرے سے سمجھ میں آتے ہیں۔ لہٰذا خیر و شر اضافیات سے ہیں۔

فلم کے اس پورے حصہ پر غور فرمائیے کہ آخر یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ ایک عورت اور اُس کے بچوں کی جان بچانے کے لئے۔

عورت اور بچے شاید زندہ نہ بچتے اگر ایک شخص ان کا خیر گیر اں نہ ہوتا۔ اور ایک راہ گیر سے روپیہ زبردستی حاصل کر کے ان کے لئے غذا فراہم نہ کرتا۔ وہ روپیہ بروقت صرف کرنے اور مدد کرنے کے قابل نہ ہوتا اگر چور روپیہ چرا کر راستے میں نہ ملتا۔ چور کے پاس روپیہ نہ رہتا جب تک کہ ایک غریب کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر چرا نہ لیتا۔ اور اس غریب کے پاس روپیہ کہاں رہتا جب تک کہ سخی اس کے حال پر رحم کھا کر اُس کی

مدد نہ کرتا۔ فلم میں کہانی کا اعتبار کرتے، فلم کے نظام کلّی کا اعتبار کرتے سب خیر ہی خیر ہے۔

ورنہ یوں دیکھا جائے تو سخی سخاوت نہ کرتا، سخی سے خیر کی نمائش نہ ہوتی تو چوری جو ایک شر ہے بعد میں نمایاں نہ ہو سکتی۔ اگر چور سے چوری کا شر نمایاں نہ ہوتا۔ تو نتیجہ میں عورت اور اس کے بچوں کو زندگی کیونکر ملسکتی اور ایک خیر کثیر کی نمائش کیونکر ممکن ہوتی۔

چور ابتداءً نہ لُوٹا جاتا اور اجنبی زبردستی لیا ہوا روپیہ واپس نہ کرتا تو چور کے سامنے اپنے عمل کی خرابی اور بُرائی کھل نہ سکتی اور برائی کی تمیز نہ پیدا ہوتی تو احساسِ ندامت پیدا نہ ہوتا اور توبہ کا خیر نمایاں نہ ہو سکتا اور عوام اُس سے نمایاں ہونے والے شر سے نہ بچ سکتے۔

ان مثالوں سے معلوم ہوا کہ ایک چیز بظاہر شر معلوم ہوتی ہے اور نتیجتہً اس سے خیر برآمد ہوتا ہے اور جس کو ہم شر سمجھ رہے تھے۔ اسکی افادیت کو جان لینے کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ جو ہوا اچھا ہی ہوا الخیر فی ما وقع

دراصل جب تک انجام معلوم نہ ہو کسی بات کا تصفیہ نہیں کیا جا سکتا اور انجام ہمیشہ آخر میں برآمد ہوتا ہے جو ظاہر ہونے تک پردہ اخفا میں رہتا ہے لہذا بادی النظر میں ہم جس کو خیر سمجھتے ہیں ہو سکتا ہے کہ وہی ہمارے حق میں شر کا موجب ہو۔ اور جسکو ہم شر سمجھتے ہیں ہو سکتا ہے کہ اُس میں ہمارے لئے خیریت رہے۔ یہ سب حکیم مطلق کی حکمت کے تماشے ہیں۔ ع

کھیل ترا تو ہی جانے کھلاڑی میں کیا جانوں حسرت

قرآن شریف میں ہے۔ عسیٰ ان تحبوا شیئاً وھو شر لکم وعسیٰ

اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ۔

اچھا یہ تمثیل جو آپ پردہ پر ملاحظہ فرما رہے تھے اس میں خیر کثیر و شر کثیر خیر اور خیر الخیر، شر اور شر الشر سب ہی سمجھ میں آ رہے ہیں۔ اس نمائش سے پردہ پر کیا اثر مرتب ہوا؟ کیا سخی کی سخاوت یا چور کی چوری پردہ سے منسوب ہوگئی؟ ہرگز نہیں۔ پردہ تصاویر سے نکلے گا تو شر ہوگا قدرت و فعل کی نسبت پردہ کی تصاویر کی صورت میں ظہور کی وجہ سے ہے نہ کہ نفس پردہ کی حیثیت سے۔ لہٰذا سخاوت کی نسبت سخی سے اور چوری چور کی ذات سے منسوب ہوگی۔ کیونکہ سخاوت یا چوری کسب ہے اور کسب کی نسبت اُس کے کاسب کی طرف جائیگی۔ یاد رکھئے! یہ سب اعتبارات ہیں۔ ایک چیز کے اعتبار سے دوسری بُری ہے یا بھلی۔ اضافیات کی نسبت اضافیات سے اضافی ہی ہوگی۔ رہا پردہ جس کی وجہ سے ان تصاویر کی نمائش ہے البتہ خیر محض ہے۔ کیونکہ پردہ نہ ہوتا تو ان تصاویر کا ظہور نہ ہو سکتا۔ نمائش نہ ہو سکتی۔ پردہ نہ ہوتا تو، نہ چور ہی کا ظہور ہوتا اور نہ اس کی چوری نمایاں ہو سکتی۔ اور بعد میں اس کی فطرت کا تائب صفت ہونا معلوم نہ ہو سکتا۔ اسی طرح سخی اور اس کی سخاوت کا حال ہے۔ اچھا! اسی بات کو یوں سمجھئے! مثال کے طور پر میں نے ایک خوبصورت بچہ کا تصور کیا۔ اب خیال میں بچہ نے پیشاب کیا تو کیا میں نے پیشاب کیا؟ ہرگز نہیں، میرے خیال میں جو بچہ تھا اُس نے پیشاب کیا۔ اس سے مجھ پر کیا اثر آتا ہے۔ یہ سب میرے خیال کرنے کی وجہ سے ہے میرے علم میں ہے۔

ان مثالوں سے کیا معلوم ہوا؟ جو کچھ خیر و شر ہم سے یعنے مخلوقات

سے نمایاں ہو رہا ہے وہ سب ہماری طرح اضافی ہے۔ جن کے ظہور سے ذاتِ خالق پر وجودِ مطلق پر کوئی اثر نہیں آسکتا۔ اور نہ وہ اس کی ذات کی طرف منسوب ہی ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ وجودِ مطلق مخلوقات سے نکلے گا تو شر ہوگا۔ قدرت و فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کے، وجودِ مطلق کے مخلوقات کی صورت میں ظہور کی وجہ سے ہے نہ کہ نفسِ مطلق کی حیثیت سے۔ لہٰذا خیر و شر جو اعتبارات ہیں یعنے ایک چیز کے لحاظ سے دوسری بُری ہے یا بھلی، کاسب یعنے ہم سے، مخلوقات سے منسوب ہونگے۔ البتہ ہم کو یعنے مخلوقات کو وجود عطا کرنا نیست سے ہست کرنا بے شک خیرِ محض ہے جو اللہ ہی کی طرف منسوب ہوگا۔ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۔ اگر خدا ہم کو پیدا نہ کرتا وجود نہ بخشتا تو نہ خیر ہی نمایاں ہوتا اور نہ شر ہی نمایاں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ جیسا جانتا ہے ویسا پیدا کرتا ہے پس ہم سے خیر یا شر کا ظاہر ہونا خود ہمارے ہی عین کی صلاحیت کا ظہور ہے اسی طرح ثواب و عذاب کا باعث خود ہمارے عین کی قابلیت ہے۔ اللہ نے پیغمبر کے ذریعہ اچھے بُرے کی تمیز کروادی۔ جن کی استعداد جن کی فطرت نیک ہوتی ہے نیکی کو قبول کرتے ہیں جن کی استعداد جن کی فطرت بد ہوتی ہے بدی کو قبول کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کُن فرما کر ہمارے افعال کو پیدا کرتا ہے مگر کُن فرمانے کا ارادہ ہمارے عین، ہماری حقیقت کے حال کے عین مطابق ہے۔

جبر و قدر

پردہ سیمین پر آپ نے جو پلاٹ ابھی ملاحظہ فرمایا وہ ایک اعتبار سے تھا

اب ایک دوسرا پلاٹ پیش کیا جارہا ہے۔

ایک شخص بینک میں پانچسو روپیہ کا ایک چک داخل کیا اور رقم حاصل کر کے روانہ ہوا ایک چور نے اُس کو رقم حاصل کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ ساتھ ہی اُس نے دل میں اس رقم کے چرالینے کا ارادہ کیا اور اُس شخص کے پیچھے روانہ ہوا۔ اور موقع پاکر اُس کی جیب سے رقم چرالی اور چلتا بنا۔ چور کو جاتا ہوا پولیس نے دیکھ لیا اور اس کو گرفتار کر کے مارا پیٹا اقبال جرم کے بعد پرچہ چاک کیا اور عدالت میں پیش کیا جہاں اس کا ہاتھ کاٹ دیگیا تاکہ دنیا کو عبرت ہو اور دوسرے لوگ کبھی چرانے کا تصور بھی نہ کرسکیں۔

ابتداءً پردۂ ذہن پر چور کے افعال کی نمائش سے ایسا سمجھ میں آرہا تھا کہ اس نے رقم چرانے کا ارادہ کیا اور اپنے ارادہ و اختیار سے چلتا ہوا اُس شخص کے پیچھے روانہ ہوا جس کے ساتھ رقم تھی اور اپنے اختیار سے رقم کو چرالیا۔ چور کا اپنے ارادہ و اختیار سے رقم چرالینا اس کے افعال سے سمجھ میں آرہا ہے جو اس سے نمایاں ہورہے ہیں یہ الفاظ دیگر اُس کے کسب سے جو اُس سے ظاہر ہورہا ہے اُس کا ارادہ کرنا اور اپنے اختیار سے چرالینا سمجھ میں آرہا ہے۔ یہ اختیار جو ہم کو سمجھ میں آرہا ہے اُس کے افعال کے ظاہر میں صادر ہونے کی وجہ سے ہے۔ ورنہ زید کے اعتبار کرتے تو مجبوری ہے کہ جیسا ریل میں ہے ویسا پردہ پر ظہور ہورہا ہے۔

جبر باطن کے اعتبار سے ہے اور اختیار ظاہر کے اعتبار سے چور چرانے کا ارادہ کرنے کے موقف میں نہ ہوتا تو اس آدمی کی طرف چل کر نہ جاتا اور اپنے اختیار سے نہ چراتا۔ اُس کے ارادہ کرنے اور اپنے اختیار سے چرالینے سے اس کا با ارادہ ہونا ظاہر ہورہا ہے۔ اگر اُس سے ارادہ و اختیار ظاہر نہ ہوتے

تو مجنون سمجھ میں آتا۔ مجنون ہوتا تو اس میں نہ چک کی پہچان ہوتی نہ نوٹوں کی اور نہ چرا لینے کی خواہش ہی اس کے دل میں پیدا ہو سکتی اور نہ وہ دوسرے شخص کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر رقم کو چرا سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کو ارادہ نہیں اختیار نہیں ایسا شخص سوائے مجنون کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ مگر اس چور سے ارادہ کرنا اور اپنے اختیار سے چرا لینا ظاہر ہو رہا ہے یعنے حرکت ارادی سمجھ میں آ رہی ہے۔ لہذا چوری کا اطلاق اُس پر یقیناً عائد ہو رہا ہے کیونکہ وہ کاسبِ فعل ہے۔ اور یہ چور خود بحیثیت کاسب یا فاعل جو پردہ پر نمایاں ہو رہا ہے، اپنے آپ سے نمایاں نہیں ہو رہا ہے لہذا اس کے افعال خود اُس کے اپنے پیدا کردہ نہیں ہیں بلکہ اُس کے افعال بھی پردہ پر اُسی طرح نمایاں کئے جا رہے ہیں جس طرح وہ خود پردہ پر نمایاں کیا جا رہا ہے (واللہ خلقکم وما تعملون) یہ ساری نمائش اُس کی حقیقت پر جو ریل میں محفوظ ہے روشنی کے پڑ کر پردہ پر نمایاں ہونے سے ہے۔ لہذا چور خالقِ فعل نہیں کاسبِ فعل ہے۔ اور چوری کے جرم کا اطلاق کسب کی بدولت ہے۔

پردہ سمین پر آپ نے دیکھا کہ پہلے اُس کو ارادہ دیا گیا پھر فعل کو یعنے چرانے کے عمل کو جس کی حقیقت بھی ریل میں محفوظ تھی۔ اُس پر روشنی ڈالی گئی تو اس کا فعل پردہ پر نمایاں ہو سکا۔ اور یہ فعل اُس کی استعداد کلی یعنے فلم کی ریل میں اُس کی حقیقت کی تفصیلات یا استعدادات کے طور پر موجود تھا۔ لہذا پردہ پر ظاہر ہوا۔ اُس کی ہر حرکت اس کا ہر فعل جو یکے بعد دیگرے پردہ پر نمایاں ہو رہا ہے اُس کی استعداد جزئی ہے جو ظہور کے اعتبار سے ہے اور یہ استعدادِ جزئی جو پردہ پر نمایاں ہو رہی ہے استعدادِ کلی کی

تفصیل ہے جو دل میں ثابت اور دل کے ساتھ قدیم ہے۔

اس طرح غور کرتے جائیے تو ایک استلزام متجھ میں آئے گا کہ ہر حرکت، ہر فعل ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہیں۔ پہلی حرکت جو پردہ پر گزری پیش خیمہ تھی موجودہ حرکت کا جو پردہ پر نمایاں ہے اور موجودہ حرکت جس کی پردہ پر نمائش ہو رہی ہے گزشتہ حرکت کے نتیجہ کے طور پر ہے۔ یعنے ایک حرکت کے نتیجہ کے طور پر دوسری حرکت۔ دوسری کے نتیجہ کے طور پر تیسری اسی طرح سلسلہ لامتناہی۔

(رباعی) (حسرت صدیقی)

ہر نیک کی نیکی ہے یقیناً دائم — جو بد ہے بدی اُس سے مقرر قائم
یاں جبر کہاں ہے یہ تو ہے استلزام — لازم ملزوم کو رہے گا لازم

مثال متذکرہ صدر کو سامنے رکھ کر اپنے افعال پر قیاس کیجئے اور سمجھئے کہ مخلوقات کے اعمال کے ظہور کا بس یہی حال ہے سزا و جزا بھی اسی اعتبار سے ہے۔ گویا یہ سب عین ثانیہ کے یعنے ہماری حقیقت کے اقتضاءات ہیں یا صلاحیتیں ہیں جو یکے بعد دیگرے نمایاں ہوتے چلے جارہے ہیں۔ یہ اقتضاءات ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ نیک کے ساتھ اُس کی نیکی اور بد کے ساتھ اس کی بدی لپٹی رہے گی موصوف کے ساتھ صفت۔ ملزوم کے ساتھ اس کا لازم ضرور رہے گا۔ چھوٹ نہیں سکتا شیر گھاس نہیں کھاتا اور گھوڑا گوشت نہیں کھاتا۔ اسی طرح جنگلی جانور کے خصوصیات الگ ہیں اور پالتو گھریلو جانوروں کے خصوصیات الگ ہر ایک کی فطرت الگ، ہر ایک کی صلاحیتیں الگ ان کے اقتضاءات الگ۔ جو بدل نہیں سکتے۔ ظالم سے ظلم اور رحمدل سے رحم ضرور نمایاں ہوگا۔

حقیقتِ ممکن یا عین ثابتہ یا معلوم حق تعالیٰ کی استعدادات کی نمائش جس عالم میں ہوگی وہاں اس عالم کے اقتضاء کے مطابق ظہور ہوگا۔ دنیا میں دنیا کے لوازم کے ساتھ اور آخرت میں اُس کے لوازم کے ساتھ۔

پیغمبر کے ذریعہ بندوں کو نماز کا ایک کلی حکم دیا گیا۔ مگر ظہورِ فعل کے لئے ظہورِ نماز کیلئے خود فعل کو حکم کُن کا دیا جانا ضروری ہے مثلاً ایک شخص اللہ سے دعا کر رہا ہے کہ مالک مجھے نماز پڑھنے کی توفیق عطا کر۔ یعنے نماز کو مجھ سے ظاہر فرما اس دعا کے بعد بھی وہ نماز نہیں پڑھتا۔ نماز اُس سے ظاہر نہیں ہوتی۔ نماز کے ظاہر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی حقیقت یا اس کے عین ثابتہ کی صلاحیت، یا اُس کی فطرت میں صرف طلبِ فعل کی صلاحیت ہے اور ظہورِ فعل سے اُس کی طبیعت میں اُس کی حقیقت میں اس کے عین کی صلاحیت میں انکار ہے یا اس کی حقیقت و طبیعت ظہورِ فعل سے اِبا کرتی ہے۔ لہٰذا ظہورِ فعل یعنے ظہورِ نماز اس کے عین ثابتہ و حقیقت کے اقتضاء کے خلاف ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ فعل کو نہ کُن کا حکم دیتا ہے اور نہ نماز ظاہر ہوتی ہے۔ عین کے اقتضاء کے مطابق نماز ظاہر نہ ہو سکنے سے نماز کے کلی حکم کے پیشِ نظر اُس کے عین کی عدم قابلیت کا اظہار ہوگیا۔ اور ساتھ ہی ترکِ نماز کا حکم دنیا میں شریعت کی روشنی میں لگ گیا۔ اور آخرت میں ترکِ نماز کا اقتضاء سزا کی صورت میں سامنے آئے گا۔ اگر اللہ کی رحمتِ خاص اُس کو اپنے دامن میں لے لے اور معاف کر دے تو دوسری بات ہے جو آخرت میں مسلمانوں کے لئے رحمتِ خاص کے ظہور کا اقتضاء ہے۔

کلام

ٹاکیز میں پردۂ سیمیں پر آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ ایک موٹر ایک بنگلہ پر رکی۔ پچھلی سیٹ پر ایک خوبصورت جوان بیٹھا ہے جو لباس اور وضع قطع سے ایک امیرزادہ معلوم ہو رہا ہے۔ اُس نے شوفر کو حکم دیا کہ ہارن دے شوفر نے ہارن بجایا۔ آپ نے ہارن کی آواز سنی۔ مکان کے اندر سے کچھ آوازیں آنے لگیں۔ آواز سے آپ نے جان لیا کہ یہ آہٹ ہے کسی کے جوتے پہن کر چلنے کی آواز ہے۔ ایک اور آواز آئی۔ یہ آواز بولٹ گرنے کی تھی۔ دروازہ کھلا اور دروازہ کھلنے کی آواز آپ نے سنی۔ امیرزادہ موٹر سے اترا اور میزبان نے مہمان کا استقبال کیا اور ساتھ لے چلا۔ ایک بڑے ہال میں پہونچے۔ وہاں محفل عیش و نشاط گرم ہے۔ مرد بھی ہیں عورتیں بھی ہیں۔ آپس میں خوش گپیاں ہو رہی ہیں۔ آنے والا کا خیر مقدم کیا گیا اور ایک صوفہ پر بٹھا دیا گیا۔ سامنے اسٹیج ہے۔ یوں تو پورا ہال بقۂ نور بنا ہوا ہے مگر اسٹیج فلڈ لائیٹ کی وجہ بہت زیادہ روشن ہے اسٹیج پر سازندے اپنے اپنے مقام پر بیٹھے ہیں مختلف سازاُن کے ہاتھ میں ہیں۔ مختلف آوازیں شروع ہوئیں۔ آوازوں پر آپ نے دھیان دیا اور جان گئے کہ یہ ستار کی آواز ہے یہ طاؤس کی آواز ہے۔ یہ آواز فلوٹ کی ہے۔ یہ آواز سارنگ کی ہے فلاں آواز پیانو کی ہے اور یہ آواز تو ہارمونیم کی ہے۔ ڈھولک اور طبلہ کی آوازوں میں بھی آپ برابر فرق کر رہے تھے یہ باجے جب ایک ساتھ بجنے لگے تو ان سب کی آوازوں کے امتزاج سے ایک خاص دھن پیدا ہوئی۔

انفرادی طور پر ہر ساز کا ایک خاص سُر ہے۔ جب ان سُروں میں

باہم تناسب پیدا ہوا اور ان میں میزان و اعتدال قائم ہوا تو سُروں کی کثرت وحدت میں مبدل ہو گئی اور آپ محظوظ ہونے لگے۔ میزان اور تناسب قائم ہونے سے پیشتر مختلف باجوں کے سُر الگ الگ سمجھ میں آ رہے تھے اور ان میں دلکشی نہ تھی وحدت نہ تھی، ایک کثرت تھی جس کا سننا آپ کے لئے شاق گذر رہا تھا اور خیالات میں یکسوئی پیدا نہ ہو سکتی تھی۔ جب یہی کثرت وحدت میں مبدل ہوئی تو آپ ایک قسم کا سرور محسوس کرنے لگے، لطف لینے لگے۔ اور اُس میں گم ہونے لگے۔ اس سے یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آگئی کہ کثرت موجب زحمت اور وحدت موجب راحت و مسرّت ہے۔ جب تک خیال میں انتشار ہے زحمت ہی رہیگی۔ خیال میں یکسوئی پیدا ہوتی ہے تو توحید کی طرف راستہ ملتا ہے اور توحید پیدا ہوتی ہے۔ جو ایمان و عرفان کی جان ہے۔ ؎

آرام اگر پوچھو تسکین اگر چاہو
توحید کی مستی میں دن رات رہا کرنا (حسرت صدیقی)

مختلف باجوں کے یک ساتھ بجنے اور ان کی آوازوں کے امتزاج سے جو دُھن پیدا ہوئی تھی آپ اس سے محظوظ ہو رہے تھے۔ اب آپ نے پائل کی جھنکار سنی اور اسٹیج پر ملاحظہ کیا کہ ایک خوبصورت نازنین پیر میں گھنگرو باندھے رقص کرتی ہوئی نمودار ہوئی۔ گاتی جاتی ہے اور رقص کرتی جاتی ہے۔ اُس کی آنکھوں کو دیکھئے تو اُن میں ڈوب کر رہ جائیں۔ رنگ ایسا کہ دیکھتے رہ جائیں۔ بال ایسے ہیں جن میں نظر اُلجھ کر رہ جائے اور پھر نکلنا نصیب نہ ہو۔ مسکراہٹ ایسی کہ ہزار جان سے قربان ہو جانے دل چاہے۔ اعضاء میں تناسب ایسا کہ پلک جھپکنے کی فرصت نہیں۔ یعنے وحدت صورت شکل میں آئی تو اُس کا نام اب حُسن ہے۔ یہی وحدت جب اس کے اعضاء

کے حرکات میں ایک تناسب خاص سے نمودار ہوئی تو رقص بن کر نمایاں ہوئی یہی وحدت آواز میں تناسب سے نمودار ہوئی تو راگ کہلائی۔

کبھی بیروین میں گاتی ہے تو کبھی پیلو میں اشعار بھی خوب ہیں آواز بھی غضب کی پائی ہے اب اس نے مختلف راگنیوں میں اشعار سنائے۔ سنتے ہی آپ نے کہا یہ راگ جگدلیشری ہے یہ سارنگ ہے یہ سرا پردہ ہے یہ شاہانہ ہے اور یہ کھماج ہے۔

اچھا ساری آوازیں جواب تک آپ سنتے آئے اور ساتھ ہی ساتھ جانچ بھی رہے تھے کہ یہ فلاں چیز کی آواز ہے۔ فلاں باجے کی آواز ہے فلاں آدمی کی آواز ہے۔ آپ کی توجہ اس بات پر منعطف ہوئی کہ آخر یہ آوازیں تھیں کہاں؟ کب سے ہیں؟ اور کب تک رہینگی؟

یہ دہ سمین پر غور کیا تو وہاں سوائے تصاویر کے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر آپ نے مزید غور کیا تو بات یہ سمجھ میں آئی کہ یہ آوازیں فلم کی ریل کے ساتھ موجود ہیں اور آوازوں کی ٹائمنگ حرکات سے ملی ہوئی ہے۔ آواز اس عورت کے ہونٹوں کی حرکت سے اسطرح مطابقت پیدا کر رہی ہے کہ ہم اس کو بات کرتا اور گاتا ہوا سمجھنے پر مجبور ہو رہے ہیں حالانکہ پردہ پر تو صرف تصاویر اور انکی حرکات نمایاں ہو رہی ہیں۔ اسی طرح مختلف باجوں اور ساری اشیاء کی آوازوں کا حال ہے کہ ہر آواز ایک تصویر خاص اور اُس کی حرکتِ خاص کے ساتھ متعلق ہے جو تصویر اور اس کی حرکات کے لائق ہے۔ ہارن کی آواز ہارن کے لائق۔ بولٹ گرنے کی آواز اس کے لائق دروازہ کھلنے کی آواز اُس کے لائق۔ ہر باجے کی آواز اُس کے لائق۔ ہر آدمی ہر جانور ہر جاندار کی آواز اس کے لائق۔ یہ ساری آوازیں حقیقت میں ان کا کلام ہیں۔ جو اُس

وقت سے ہیں جب سے کہ ریل ہے۔ ریل کی نمائش جو پردہ پر تصاویر کی صورت میں نمایاں ہونے لگی۔ تو اُن کی مقررہ آوازیں یا ان کا کلام بھی مقررہ وقت پر اُن سے منسوب ہو کر ان کی آواز یا ان کا کلام سمجھا جانے لگا۔

جس طرح تصاویر کا ظہور پردہ پر حادث اور تصاویر کی حقیقت ریل میں قدیم تھی۔ اسی طرح تصاویر کے ظہور کے ساتھ ساتھ تصاویر کے کلام کا ظہور بھی تصاویر سے نسبت پانے کی وجہ حادث ہوا اور کلام کی حقیقت رکارڈ میں محفوظ ہونے سے قدیم ہوئی۔

اس مثال کو سامنے رکھتے ہوئے غور کیجئے کہ وہ کلام جو ہمارا آپ کا یا وہ الفاظ جو ہم سے ادا ہو رہے ہیں یا وہ آوازیں جو مختلف مخلوقات سے ظاہر ہو رہی ہیں یہ سب مخلوقات سے نسبت رکھتے ہیں چنانچہ باعتبار ظہور ہماری طرح حادث ہیں۔ مگر یہ کلام معنوی اعتبار سے ہماری حقیقت کی طرح علم الٰہی میں قدیم ہی کیوں نہ ہو۔

مگر وہ کلام جو خاص اللہ تعالیٰ کی ذات سے نسبت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کا خاص کلام ہے اور وہ بندوں سے مخلوقات سے نسبت نہیں رکھتا۔ جیسے قرآن شریف کہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کلام ہے۔ جو معنوی اعتبار سے اللہ کا علم ہے اور لفظی اعتبار سے صورتِ علم ہے لہٰذا اللہ کا علم اور صورت علم یعنے کلام الٰہی دونوں اللہ کی ذات کے ساتھ قدیم ہیں۔ مگر جب ہم اس کو پڑھتے ہیں تو کلام قدیم کا پڑھنا، اس کی قراءت ہم سے منسوب ہو گئی چونکہ ہم حادث ہیں، لہٰذا حادث کی قراءت حادث نہ کہ کلام الٰہی فی نفسہٖ بذاتِ خود حادث۔ اگر حادث ہوتا تو شروع ہی سے مخلوقات سے منسوب رہتا جس طرح ہمارا کلام ابتدا ہی سے اللہ کے علم میں ہم سے منسوب ہے۔

کلام قدیم کی طباعت کاغذ پر حادث۔ تحریر، اشکال سیاہی۔ کاغذ سب حادث کیوں کہ یہ عالم اجسام و عالم مادّیات یعنے عالم شہادت سے تعلق رکھتے ہیں، جن سے کلام الٰہی کا تعلق ہو رہا ہے اور یہ سب تعلقات حادث ہیں۔ مگر قرآن جو کلام الٰہی ہے فی نفسہٖ یعنے باعتبار کلام نفسی و لفظی قدیم ہے حادث نہیں۔ یہاں یہ بات بطور خاص یاد رکھنے کی ہے کہ ظہورات کے حدوث سے اصل شئے کا حدوث لازم نہیں آتا۔

ایک وضاحت

بندے کو خدا سے، ماہیات کو وجود سے جو ربط ہے وہ اس سے اعلیٰ و ارفع ہے کہ کائنات میں اس کی کوئی مثال ملے۔ تاہم سمجھانے کے لئے کوئی مثال دینی ہی پڑتی تھی لہٰذا سینما کی مثال سے کام لیا گیا۔ یہاں یہ بات واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ سینما کی مثال میں پردہ، مشین، فلم کی ریل، مشین کو حرکت میں لانے والی قوت، تصاویر کے ضمن میں اداکار وغیرہ اس طرح کئی چیزوں کا وجود الگ الگ سمجھ میں آرہا ہے اس سے کہیں یہ غلط فہمی نہ پیدا ہو جائے کہ اللہ کا وجود الگ، علم الٰہی کا وجود الگ، معلوم الٰہی کا وجود الگ، اسماء و صفات الٰہی اور ان کے تجلیات کا وجود الگ ہو۔ ایسا نہیں ہے، متعدد وجود نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا وجود واحد محض ہے جو ناقابل تکثر ہے۔ اس کے مقابل عدم ہے جو پایا نہیں جاتا۔ وجود ہی سب کچھ ہے۔ کوئی شئے دائرہ وجود سے خارج نہیں۔

عینیت و غیریت

عینیت محضہ کیا پردہ اور اس پر کی تصویر دونوں عین محض ہیں؟

اور دونوں میں کسی قسم کا امتیاز نہیں ہے ؟ امتیاز کیسے نہیں ہے : برابر ہے پردہ پر ایک اندھے، لنگڑے، لولے کی تصویر آپ دیکھ رہے ہیں۔ تو کیا پردہ پر اُس تصویر کے نمایاں ہونے سے یا پردہ کے اُس تصویر کو نمایاں کرنے سے آپ پردہ کو اندھا، لنگڑا اور لولا کہینگے ؟ پردہ پر ایک چیچک رو اور بدصورت عورت نظر آرہی ہے تو کیا اس نمائش کی وجہ پردہ چیچک رو اور بدصورت کہلائیگا ؟ چور چوری کر رہا ہے۔ اور اس کی چوری پردہ پر نمایاں ہو رہی ہے تو کیا آپ پردہ کو چور کہینگے ؟ اس طرح مختلف عیوب و نقائص جو تصاویر میں ہم کو نظر آرہے ہیں، تو کیا ان سب عیوب و نقائص کو ہم پردہ میں ثابت کرینگے ؟ اور کیا ہم ان نقائص کو پردہ میں ثابت کر بھی سکینگے ؟ ہرگز نہیں۔ پردہ ان تصاویر کو اور ان کے عیوب کو ظاہر کرنے کے باوجود جیسے کا ویسا ہے بے عیب کا بے عیب ہے۔ پاک کا پاک ہے۔ عیوب و نقائص تو تصاویر میں ہیں۔ تصاویر سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور پردہ تو اپنی جگہ بے عیب ہے۔ بھلا ناقص اور بے عیب دونوں کا کیا جوڑ۔ دونوں ایک کیسے ہو سکتے ہیں ؟ کہاں پردہ اور کہاں تصویر۔ اس سے معلوم ہوا کہ پردہ اور تصویر دونوں عین محض نہیں ہیں۔

اچھا اگر کوئی پردہ اور تصویر کو عین محض خیال کرتا ہو تو اُس کو اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ اگر ایک تصویر عین پردہ ہے تو دوسری تصویر بھی عین پردہ ہوگی۔ تو جو حکم ایک تصویر کا ہے وہی حکم دوسری تصویر کا بھی ہوگا۔ حالانکہ فلم میں ہم متعدد کردار دیکھ رہے ہیں کہ اُن میں ایک بادشاہ ہے جو حکم دے رہا ہے اور دوسرا وزیر ہے جو خود بھی بادشاہ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہے اور دوسروں سے تعمیل کروا رہا ہے۔

فلم میں ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ آگ ایک جھونپڑی کو جلا رہی ہے اور پانی سے لوگ آگ بجھا رہے ہیں اور آگ بجھ رہی ہے۔ گویا مختلف حقائق سمجھ میں آرہے ہیں۔ ہر حقیقت الگ ہے اور اس کے جدا آثار ہیں۔ ہر مرتبے کا ایک حکم ہے اور اس کا حق دینا ہی پڑیگا ورنہ بدتمیزی ہوگی، جہالت ہوگی۔ گمراہی ہوگی۔

اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ:۔

حق و باطل، واجب و ممکن، رب و عبد دونوں عین محض نہیں ہیں۔ کہاں خدا اور کہاں بندہ؟ کدھر خالق اور کدھر مخلوق؟۔ دونوں میں کیا جوڑ۔ ایک بالذات، دوسرا بالعرض۔ ایک پاک اور بے عیب دوسرا عیوب و نقائص سے پُر۔ ایک کا وجود اصل اور دوسرے کا عدمی ہونا اصل۔ لہٰذا مخلوقات میں جو عیوب و نقائص ہیں وہ خالق میں ہرگز ثابت نہیں کئے جاسکتے۔ اس سے یہ بات متحقق ہوگئی کہ خدا اور بندہ دونوں عینِ محض نہیں ہیں۔ اگر ان کو عینِ محض سمجھا جائے تو یہ زندقہ و الحاد ہے۔

غیریتِ محضہ پردہ کے مقابل جو واحد محض اور اپنے آپ قائم ہے کیا تصویر جس کا وجود عدم کے برابر ہے اپنی ہستی کا دعویٰ کرسکتی ہے؟ تصویر کو ہاتھ لگاؤ، ہاتھ کو پردہ لگے گا، محسوس ہوگا۔ اور پردہ پر نظر آنے والی تصویر کا جسم جو سمجھ میں آرہا تھا محسوس نہیں ہوسکیگا اور پردہ کا بالذات موجود ہونا اور تصویر کے جسم کے وجود کا مفقود ہونا، اس کا عدمی ہونا ثابت ہوجائیگا۔ تصویر اپنی نمائش سے دھوکہ کھا کر اگر پردہ کے مقابلہ میں اپنے وجود کا دعویٰ کر بیٹھے تو یہ شرک فی الوجود ہوگا اپنی کسی خوبی کا دعویٰ کرے تو شرک فی الصفات ہوگا۔

مقصد اس مثال سے یہ ہے کہ اگر ممکن یعنے بندہ اپنی نمائش کی وجہ اپنے کو حقیقی طور پر موجود سمجھے اور ذات باری تعالیٰ ذاتِ وحدہ لاشریک لہ کے مقابل اپنی ہستی کا دعویٰ کرے تو جہالت ہے۔ گویا اُس نے خدا کے وجود کے مقابل اپنے وجود کو بھی قابل لحاظ سمجھا۔ جو موجب گمراہی وضلالت ہے۔ اسی طرح بندہ اپنی کسی خوبی اور کمال کا نسبت الی الحق کے بغیر دعویٰ کرے تو یہ شرک فی الصفات ہے۔

غیریت حقیقی وعینیت اعتباری اگر تصویر پردہ پر اپنی نمائش وظہور کی وجہ اپنے وجود پر غور کرے اور پردہ کے وجود کے مقابل اپنے کو ادراک نہ کر سکے اور دعویٰ کر بیٹھے کہ میں پردہ ہوں تو کیا تصویر کا یہ دعویٰ درست ہوگا؟ ہرگز نہیں تصویر اپنے دعوے میں کبھی حق بجانب نہیں ہو سکتی۔ تصویر پردہ سے قربت کی وجہ لاکھ اپنی نظر میں چھپ جائے پردہ نہیں ہے۔ اور پردہ بھی تصویر نہیں ہو سکتا۔ پردہ پردہ ہے اور تصویر پہلے بھی تصویر تھی اب بھی تصویر ہے اس مثال سے کیا بات سمجھ میں آئی؟ بندہ، خدا کے قرب اور اپنے فنا کی حالت میں لاکھ اپنی آنکھوں سے چھپ جائے۔ خود کو ادراک نہ کر سکے اور انا الحق چلا اُٹھے مگر بندہ خدا نہیں ہو سکتا۔ ممکن واجب نہیں ہو سکتا واجب واجب ہے اور ممکن ممکن۔ جو پہلے بھی ممکن تھا اور اب بھی ممکن ہے خدا خدا ہے اور بندہ بندہ۔ واجب کا وجود بالذات ہے اور ممکن کا وجود بالعرض ہے یعنے واجب کی وجہ سے ہے۔ بندہ عدمی ہے اور عدم پایا نہیں جا سکتا۔ عدم پایا جائے تو انقلاب ماہیت ہو جائے ممکن موجود ہو تو وجود

میں خدا کا شریک ہو اور یہ محال ہے۔

عینیتِ وجودی، غیریتِ علمی

اب ایک مشکل آپڑی ہے۔ عینیت میں زندہ اور غیریت میں شرک آخر بات کیا ہے؟ اور راہ سلامت کی تفصیل کیا ہے؟

بات یہ ہے کہ وجود حقیقی ناقابل تکثر ہے۔ اس کے مقابل کوئی شئے نہیں۔ اگر ہے تو عدم محض ہے۔ عدم اور پایا جائے؟ وہ عدم ہی کیا ہوا؟ عدم تو اسم بلا مسمّٰی ہے۔ مفہوم بلا مصداق ہے۔ پھر تو وجود ہی سب کچھ ہوا۔ یقیناً وجود ہی سب کچھ ہے۔ کوئی شئے دائرۂ وجود سے خارج نہیں۔ وہی ذات ہے۔ وہی موجود ہے۔ وہی نور ہے۔ وہی حیات ہے، وہی علم ہے۔ قدم اور بالذات موجود ہے۔ وجود، باوجود بسیط ہونے کے تمام صفاتِ متضادہ کا منشاء ہے۔ کہ رحمٰن بھی وہی قہار بھی وہی۔ پیدا کرنے والا بھی وہی مارنے والا بھی وہی تمام صفاتِ متضادہ ایک ہی ذات سے منتزع ہو رہے ہیں۔ لہٰذا انتزاع علم میں کثرت ہے۔ اور یہ کثرت جس ذات سے منتزع ہو رہی ہے وہ محض وحدت ہے جو خدا کی ذات ہے۔ وہی موجود ہے اور حقیقی وجود بس اُسی کا ہے جس سے حیات علم و قدرت اور جمیع صفات انتزاع ہوئے ہیں۔ یہ صفات منشاء کے لحاظ سے عینِ ذات ہیں اور انتزاعی ہونے کے اعتبار سے غیر ذات ہیں اور سارے صفات باہم بھی غیر ہیں۔ مثلاً بصارت ایک صفت ہے۔ اور سماعت ایک صفت دونوں باہم غیر ہیں۔ اگر باہم غیر نہ ہوتے تو بصارت سے سماعت کا کام بھی لیا جاتا اور اسی طرح سماعت سے بصارت کا کام بھی اور ایسا ناممکن ہے۔ ہر صفت کا اعتبار الگ اور حکم الگ ہے۔ لہٰذا صفات باہم غیر ہیں۔ گو ایک ہی ذات سے منتزع کیوں نہ ہو رہے ہوں۔

اچھا! سینما کی ریل میں فلم کی کیا شئے نہیں ؟ سب کچھ ہے۔ کوئی حقیقت کوئی مفہوم، کوئی اعتبار جو پردہ پر نمایاں ہو رہا ہے، ہوا یا ہوگا فلم کی ریل سے باہر نہیں ہے، خارج نہیں ہے۔ اگر خارج ہوتا تو نمائش کس طرح ہو سکتی۔

پردہ پر آپ آفتاب کو دیکھ رہے ہیں جو عالم کو روشن کر رہا ہے اور گرمی پہنچا رہا ہے۔ سمندر بھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس کا پانی سورج کی حدت سے متاثر ہو کر بخارات میں تبدیل ہو رہا ہے اور بادل کی صورت میں آسمان پر چھا رہا ہے۔ بجلیاں چمک رہی ہیں کڑک رہی ہیں، آنکھوں کو چکا چوند کر رہی ہیں۔ بادل گرج رہا ہے، دلوں کو دھلا رہا ہے۔ ہوائیں چل رہی ہیں۔ بارش کا پیغام لا رہی ہیں۔ پانی برس رہا ہے۔ درخت غسل کر رہے ہیں کھڑے جھوم رہے ہیں۔ پانی بہہ کر ندی نالوں کی صورت میں نمودار ہو رہا ہے تو کہیں دریا کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ کھیتیاں لہلہا رہی ہیں۔ سبزہ آنکھوں کو تراوٹ پہونچا رہا ہے۔ جانور چوکڑیاں بھر رہے ہیں، کلیلیں کر رہے ہیں۔ شہر میں جل تھل ہو گیا ہے۔ لوگ سڑکوں پر دوڑے جا رہے ہیں۔ ہر شخص ایک نئی دھن میں ہے۔ آنکھ ناک، ہاتھ پاؤں سبھی کے ہیں مگر صورت شکل ہر ایک کی مختلف ہے۔ وضع قطع بھی علٰحدہ علٰحدہ ہے۔ کوئی چینی ہے تو کوئی جاپانی، کوئی ہندوستانی ہے تو کوئی ایرانی کوئی ہندو ہے تو کوئی مسلم کوئی سکھ تو کوئی عیسائی۔ بچے بوڑھے جوان سب کے آثار الگ ہیں پھر ہر ایک کے انداز الگ الگ ہیں۔ پردہ سیمیں پر آپ ان میں امیر غریب کا امتیاز بھی کر رہے ہیں۔ پھر کوئی گورا ہے تو کوئی کالا کوئی خوبصورت ہے تو کوئی بدصورت بہرحال ہر حقیقت کے جدا جدا آثار ہیں اور

مختلف احکام ہیں۔ ہر حقیقت، ہر عین ذواتِ ممکنہ میں سے ایک منفرد ذات ہے جو اس کے صفات کا مرجع ہے۔ لہٰذا عیوب و نقائص اور تمام صفات جو تصاویر سے نمایاں ہو رہے ہیں وہ تصاویر کی ذات سے منسوب ہونگے نہ کہ پردہ کی طرف۔ گو پردہ کی ذات جس کا وجود برحق ہے ان تصاویر کو اس قابل بنا رہا ہے کہ ان سے آثار نمایاں ہوں۔ فلم کی ریل مع اپنی تصاویر اور ان کو ظاہر کرنے والی روشنی دونوں پردہ کے ساتھ قدیم ہیں ان کے اجتماع سے ظہورِ تصاویر حادث ہے۔ اور تصاویر کی حقیقتیں اپنے صفات کے مرجع اور ان کی ذوات ہیں۔

لہٰذا تصاویر، پردہ پر ظہور کی حالت میں پردہ کے عین نہیں یعنے پردہ اور تصاویر دونوں ایک نہیں۔ اور تصاویر کی حقیقتوں کا ریل میں ہونے کا لحاظ کرتے اُن حقیقتوں کو ریل سے غیریت نہیں کیونکہ ریل اور اُس میں کی تصاویر الگ الگ ہیں نہیں ہیں۔ ایک ہیں عین ہیں۔

اس سے پیشتر ہم نے بیان کر دیا ہے کہ سینما کا پردہ، فلم، مشین روشنی یہ سب الگ الگ وجود نہیں ہیں بلکہ ایک ہی وجود کے اعتبارات ہیں کہ وجود ہی پردہ ہے وہی فلم کی ریل ہے وہی حرکت میں لانے والی مشین ہے وہی روشنی ہے ایک وجود ان سب کو احاطہ کیا ہوا ہے۔

لہٰذا تصاویر وجود سے لاعین ولاغیر ہیں۔ یعنے تصاویر پردہ پر ظہور کے اعتبار سے لاعین ہیں۔ کہ پردہ اور اس پر کی تصاویر میں عینیت نہیں۔ اور فلم کی ریل میں تصاویر کی حقیقتوں کا اعتبار کرتے لاغیر ہیں کہ تصاویر کی حقیقتیں ریل سے ہٹ کر نہیں۔

مثال سے اب اصلِ مقصد کی طرف آئیے۔ وجود، واحدِ محض

ہے۔ ایک ہے۔ بالذات موجود ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا وجود ہے۔ حیات ہے تو اس کی۔ علم ہے تو اس کا۔ قدرت ہے تو اس کی۔ یہ تمام عالم اور یہ سارا کھیل ہے تو اُس کے علم کا۔ آپ ہم سب اُس کا خیال ہیں اور یہ کثرتِ خیال اُس کی ذاتِ اقدس سے جو ذاتِ واحد ہے قائم ہے۔ کثرتِ معلومات سے اُس کی وحدتِ ذاتی میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ مخلوقات اور ان کے صفات کی نمائش سے وجودِ باری تعالیٰ میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا اور صفاتِ ذاتیہ جوں کے توں رہتے ہیں

جیسا کہ پیشتر ہم نے بیان کیا ہے حقائق و اعیانِ ممکنات اپنے صفات کے مرجع اور اُن کے ذوات ہیں۔ یہ ذوات و حقائق و اعیان معلوماتِ واجب تعالیٰ ہیں اللہ تعالیٰ سے قائم ہیں۔ سمجھنے میں اور علم میں دو چیزیں ہیں ذاتِ حق اور ذواتِ ممکن اس کی تھوڑی سی تفصیل کرینگے۔

علم کس کو ہے؟ اللہ تعالیٰ کو۔ یعنے اللہ تعالیٰ عالم ہے۔ اللہ تعالیٰ کس چیز کا عالم ہے؟ اپنی ذات اور اپنے معلومات کا اپنے معلوم کا معلوم کون ہیں؟ ممکنات۔ مخلوقات

اس طرح دو اعتبار ہوئے۔ جاننے والا اور جانا جانے والا علم اللہ تعالیٰ کی صفت ذاتی ہے۔ اور یہ صفت فاعل اور مفعول کو چاہتی ہے۔ یعنے عالم اور معلوم کو چاہتی ہے۔ جاننے والا تو اللہ ہے۔ یہ جانا جانے والا کیا کوئی غیر ہے؟ اللہ کا غیر ہے کہاں کہ وہ اس کو جانے۔ تو پھر کس کو جانا؟ جب اس کا غیر ہے ہی نہیں تو بات بالکل صاف ہے کہ اپنے آپ کو جانا۔ گویا جاننے والا بھی اللہ ہے اور جانا ہوا بھی وہی ہے بحیثیت جانا جانے کے اعیان ثابتہ کہلاتا ہے۔ یہ اعیان ثابتہ تفصیل

ہیں عینِ اعظم، معلوم اعظم کی جو حقیقت محمدی ہے۔

جس طرح میں خود کو دیکھتا ہوں کہ یہ میری آنکھیں ہیں، یہ میرے ہاتھ ہیں، یہ میرا چہرہ ہے وغیرہ وغیرہ تو یہ میرا سراپا جسے میں دیکھ رہا ہوں وہ میرے اعیان ثابتہ ہیں۔ میں نے خود کو دیکھا اور جانا۔ کیسا جانا؟ جیسا کہ میں ہوں۔ یعنے اعیان ثابتہ اللہ تعالیٰ کی معلومیت تفصیلی ہیں۔ اپنے کو ہی اللہ جانا۔ جانا کسی اور کو نہیں۔ مگر تفصیل سے جاننے کی وجہ سے اعتبارات بھی آگئے مگر باوجود ان تفصیلات و اعتبارات و مقیدات کے جاننے کے وہ مطلق کا مطلق باقی ہے۔ جس طرح میں آنکھ ناک، ہاتھ پاؤں رکھ کر بھی میں کہہ رہا تھا اور اپنے نفس کو مراد لے رہا تھا جو مطلق ہے یعنے میرے نفس ذات کے خیال سے آنکھ ناک نہیں آتے۔ گویا اس اعتبار میں میں آنکھ ناک رکھ کر بھی بے آنکھ ناک کے ہوں یعنے مطلق کا مطلق ہوں۔

اعیان ثابتہ یعنے حقائق ممکنات پہلے علم میں تھے اور بعد میں وہ ظاہر ہوئے۔ نظر آنے لگے۔ کس میں نظر آنے لگے؟ مخلوقات کی صورت میں۔ خارجی حیثیت میں جس طرح فلم کی ریل میں کی تصویریں جو پہلے ریل میں تھیں پھر وہ ظاہر ہوئیں نظر آنے لگیں۔ کس میں نظر آنے لگیں؟ تصاویر کی صورت میں خارجی حیثیت میں۔ علم میں معلومات خارجی حیثیت سے ظاہر ہونے سے پہلے اعیان ثابتہ اور خارجی حیثیت میں ظاہر ہو جانے کے بعد اعیان خارجیہ کہلائے۔ اعیان ثابتہ سے اعیان خارجیہ میں ایک رتی بھر اضافہ نہیں۔ خارجیہ بھی وہی ہیں جو ثابتہ تھے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ صرف علم و خیال میں تھے یہ ظاہر و خارج میں ہیں۔ اس لئے ثابتہ پر احکام مرتب نہیں ہوتے، خارجیہ پر احکام مرتب ہوتے ہیں۔

جس طرح ریل میں کی تصاویر نمائش سے پہلے ریل میں تھیں اور پردہ پر ظاہر ہو جانے کے بعد خارج میں پردہ پر نظر آنے لگیں۔ مگر اس ظہور سے رتی برابر اضافہ ہوا نہ کمی ہوئی۔ ریل میں وہی تصاویر ہیں جو پردہ پر نظر آرہی ہیں فرق صرف اتنا ہے پہلے وہ ریل میں تھیں اب پردہ پر ظاہر ہو رہی ہیں خارج میں ہیں۔ نمائش سے پہلے تصاویر پر ظاہر کے احکام مرتب نہیں ہو رہے تھے اب پردہ پر ظاہر ہونے سے احکام مرتب ہو رہے ہیں۔ ریل کے اعتبار کرتے تصاویر کی حقیقتیں ریل میں قدیم ہیں اور لاغیر ہیں اور ظہور کا اعتبار کرتے تصاویر پردہ پر حادث ہیں اور پردہ کا اعتبار کرتے لاعین ہیں۔ لہٰذا مخلوقات و ممکنات باعتبار ظہور حادث ہیں اور لاعین ہیں اور بحیثیت معلوم حق تعالیٰ لاغیر ہیں اور قدیم ہیں۔

واقع، منشاء، خارج میں باللّٰات ایک ہی ایک ذات ہے وہی وجود ہے وہی موجود ہے وہی شاہد ہے وہی مشہود ہے۔

ترا جس کا ہوا ارادہ وہی روبرو ہو پیدا
ترا قصد یار ہوتا تو وہ ترا یار ہوتا۔ (حسرت صدیقی)

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ۔

اصل یہ ہے کہ جس خیال کو غیریت کے اعتبار سے ملاحظہ کرو وہ غیر ہوگا اور عینیت کے خیال سے ملاحظہ کرو تو عین ہوگا۔

والحمد للہ رب العلمین

FOREWORD

BY

Dr. Md. Abdul Aleem Siddiqui, Arman

M.B, B.S. (OSMANIA)

The human nature and its inherited tendency for the love of 'Sentiment' can not be denied even in the most materialistic world of the day. This urge is ever increasing since 'Theosophy' is entitled with numerous speculations in this field trying to probe down and lay open the finest canaliculii of this deep seated and deep rooted faculty of human instinct. While civilizat ion and culture in different periods of human life have tried for centuries their best to satisfy such curiosities and questions as may arise with the start of the survey, the credit goes to the recent years in which it was best dealt with by Hazrat Moulana Abdul Qadeer and his works Diving deep he has brought up to the shore the most precious of the pearls for the garland to be judged and testified in their finest quality and the high cost. The eye with which he has surveyed and studied the whole problem is unique in its keen sight. The appeal that it produces or which emerges out of the description in the outgoing piece is in itself a credit.

Out of hundreds a couplet is taken and its contained idea is explained with an extreme brilliance of

mind and gallantry of language to make it understand the public or audience with such a nice example which fits most to the central theme and its counterparts, keeping to the last the harmony and the pleasure while the suspense is being solved in the drama upto the drop scene when one feels relieved of his curiosities and the pressure which they had exerted for long on the human mind and its nerves.

Mr Anwaruddin is a man who has been a close link and relation to Moulana and has a peculiar speculatory faculty and love for his works, the way of his seeing things and his dealing with the most intricated problems of Theosophy. He deserves praise and encouragement in every part of this 'Master work', so that he may bring out the most precious treasures to the sight of the curious, of which he is capable in every sense.

———

کتابخانہ/محمد ہارون موسیٰ

ملنے کے پتے

۱۔ بک اسٹال حسرت اکیڈمی	صدیق گلشن بیرون دریچہ بواہیر حیدرآباد دکن
۲۔ نیشنل بک ڈپو	مچھلی کمان حیدرآباد
۳۔ اسٹوڈنٹس بک ڈپو	چارمینار ،،
۴۔ حیدر اینڈ سنس	مچھلی کمان
۵۔ اسلامک بک سنٹر	زیر مسجد چوک حیدرآباد
۶۔ حامی بک ڈپو	مچھلی کمان ،،
۷۔ کمرشیل بک ڈپو	چارمینار ،،
۸۔ محمد نجم الدین صدیقی	بامن قدیری شاہ گنج حیدرآباد

20-4-496

211
VM
80.